علمِ بیان

روحِ بلاغت

علّامہ اخلاق دہلوی

ناشِر

کتب خانہ انجمن ترقیِ اردو جامع مسجد دہلی ۶

بار اول :-
سنہ ۱۹۵۲ء
ایکہزار

بار دوم :-
سنہ ۱۹۶۳ء
ایکہزار

بار سوم ایک ہزار
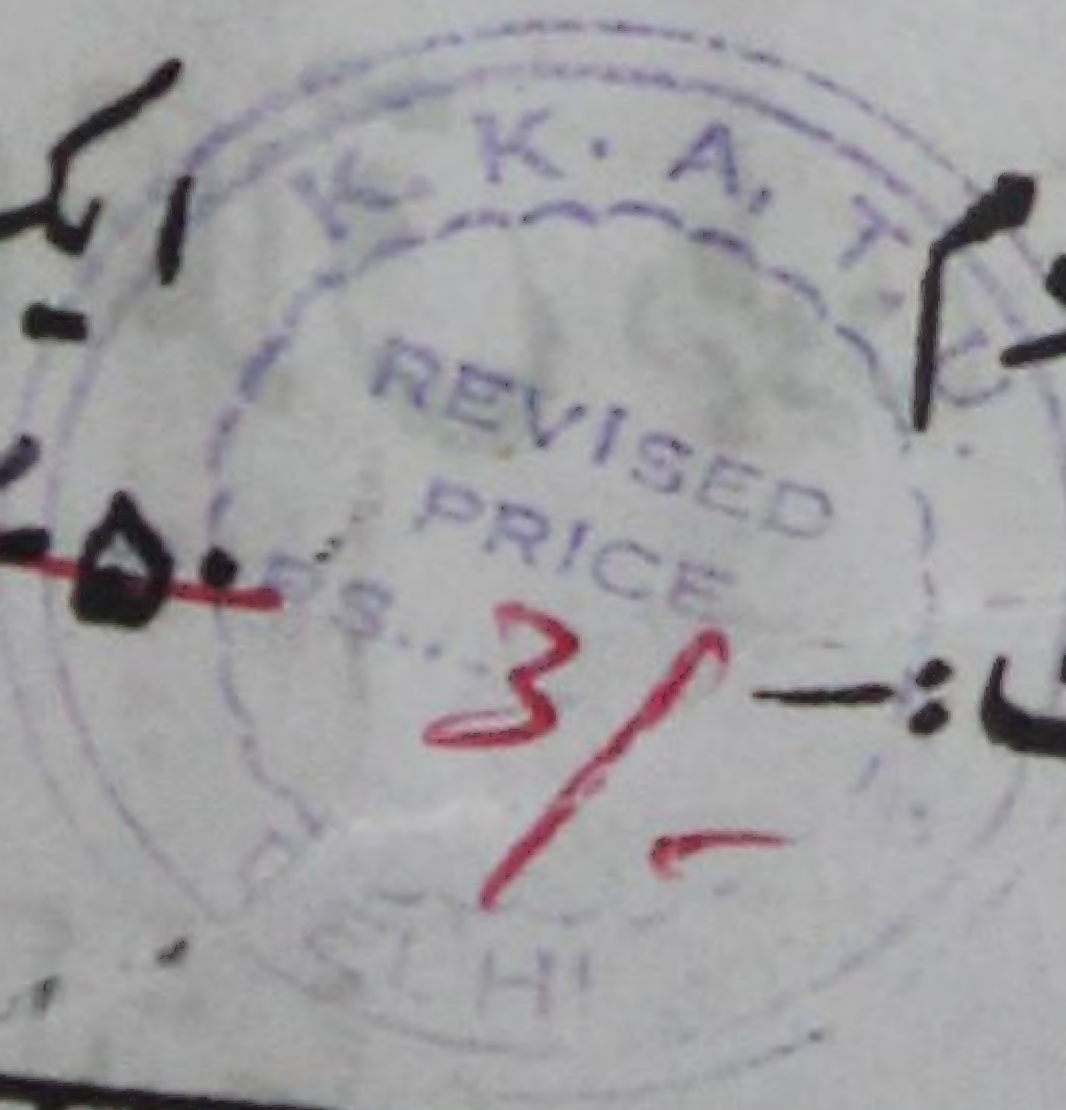
قیمت :- ~~۲-۵۰~~ روپے 3/-

فہرست مضامین

روح بلاغت حصہ اوّل علم بیان

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مولوی امام بخش صہبائیؒ اور ترجمۂ حدائق البلاغۃ

مولوی امام بخش صہبائی اردو زبان کے نامور ادیب اور انشار پرداز تھے اور وہ ان اہل قلم میں سے ہیں۔ جن کا نام رہتی دنیا تک رہے گا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بلاغت جیسے کٹھن موضوع پر قلم اٹھایا اور اردو زبان کو اِس فنِ شریف سے مالا مال فرمایا اور اگرچہ مولانا صہبائی کے قلم سے کئی اہم کتابیں وجود میں آئیں۔ لیکن جو قبولیت ترجمہ حدائق البلاغت کو نصیب ہوئی وہ کسی کو نہ ہوئی۔

ترجمہ نگاری

یہ کتاب ۱۲۵۸ھ ۱۸۴۲ء میں ترجمہ ہوئی جسے اب ایک صدی سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ اور زبان کیسے کیسے مدارج کمال طے کر چکی ہے۔ لیکن اس کی افادیت میں اب بھی کلام نہیں۔

۱؎ مولانا صہبائی کے دردناک حالات زندگی کے مطالعہ کے لیے کتاب مضمون نگاری کو پڑھنا چاہیے۔

مولانا صہبائی ترجمہ نگاری کے گُر سے آگاہ اور کامل دست رس رکھتے تھے انھوں نے حدائق البلاغتہ[۱] کو سامنے رکھ کر لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اس فن کی دیگر کتب سے بھی مدد لی اور مسائل بلاغت کو خوب سمجھ کر اور خوب سلجھا کر اپنے اسلوبِ خاص میں ادا کیا اور جابہ جا برمحل باکمال اردو شعرا کے کلام سے اشعار منتخب کر کے استشہاداً درج کیے یا حسب ضرورت طبع زاد اشعار سے بیان کو مدلل و مرصع کیا۔ چنانچہ جو اشعار ترجمہ حدائق البلاغتہ میں کسی سے منسوب نہیں وہ بقول مولوی کریم الدین، صاحب تذکرہ طبقات الشعرائے ہند.. مولانا صہبائی کے ہیں اور اسی لیے پیشِ نظر تلخیص میں وہ ان ہی سے منسوب کیے گئے ہیں۔

الغرض مولانا صہبائی نے اس گلشنِ سدا بہار کو تمرق عرق ریزی اور جاں فشانی سے آراستہ و پیراستہ کیا اور اسی لیے اگرچہ کہنے کو وہ ترجمہ ہے لیکن فی الحقیقت یہ بلاغت پر ایک مستقل تصنیف ہے۔ اور بجائے خود نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے۔ چنانچہ اب تک اِس فن پر کوئی کتاب اس کے ہم پلہ وجود میں نہ آئی اور یہ صہبائی کا وہ کمال ہے۔ جس کا منکر سے منکر کو بھی اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں اور اسی ہنر مندی کا یہ ثمرہ ہے کہ امتداد و انقلاب زمانہ کے باوجود یہ کتاب آج تک مقبول اور متداول ہے اور مدت مدید تک پنجاب یونیورسٹی کے سب سے بڑے (اردو) امتحان آنرز ان اردو (ادیب فاضل) کے نصاب میں داخل رہی ہے۔

تلخیص مجھے کوئی پندرہ برس سے اِس کتاب کے درس و تدریس سے علاقہ ہے چنانچہ ۱۹۴۵ء میں اردو کالج دہلی کے طلبہ کی ضرورت سے اس کا خلاصہ

۱۔ حدائق البلاغتہ فارسی میں ہے جس کے مصنف شمس الدین فقیر تھے جو صوفی منش بزرگ تھے یہ کتاب جامعیت کے اعتبار سے مشہور ہے۔ ۲۔ اس کتاب کا ایک نایاب قلمی نسخہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند میں تھا اب نہ معلوم ہے یا ۱۹۴۷ء کی لوٹ میں یہ بھی غارت ہوا۔ اس کا ایک قدیم مطبوعہ نسخہ میرے پاس بھی ہے

تیار کیا تھا اور بہ نظرِ احتیاط اردو کالج دہلی کے سرپرست بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق معتمد انجمن ترقی اردو (ہند و پاک) سے نظرِ ثانی کرائی تھی۔ لیکن ابھی طباعت کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ فسادات دہلی ۱۹۴۷ء کا ہنگامۂ ہوش ربا برپا ہوا اور اس طوفان بدتمیزی میں میرے اثاث البیت کے ساتھ میرا کتب خانہ بھی تاخت و تاراج ہوا جو صدیوں کے نوادرات کا ذخیرہ اور میرے بزرگوں کا اندوختہ تھا اور یہ مسوّدہ بھی اسی سیلاب میں نذرِ حوادث ہو گیا۔

لیکن چونکہ یہ طلبۂ اردو کالج دہلی کے لیے تیار کیا گیا تھا اور اس کے باوجود بعض طلبہ کے پاس اس کی نقلیں تھیں لیکن شیرازۂ انسانیت منتشر اور یارانِ طریقت تتر بتر تھے اور میں خود خانماں برباد تھا۔ اس لیے یہ توقع ہی نہ تھی کہ یہ مسوّدہ دستیاب ہو گا یا اس کی اشاعت کی نوبت آئے گی۔

قضا عنداللہ بر سبیل تذکرہ میرے عزیز شاگرد پریم ناتھ کھنہ ادیب فاضل ایم اے نے مجھے بتایا کہ ان کے پاس بھی اس کی نقل کا ایک نسخہ ہے اور وہ انھوں نے مجھے عنایت بھی کر دیا۔ یہ نسخہ بعض اعتبار سے اگرچہ ناقص تھا تاہم اس سے مجھے بڑی مدد ملی اور اگر یہ نہ ملتا تو میں شاید اس تلخیص کو از سرِ نو مرتب کرنے سے قاصر رہتا۔

بہرحال میں نے اس پر نظرِ ثانی کی اور از سرِ نو ترتیب دیا اور اس دوران میں درج ذیل کتب سے خاطر خواہ مدد ملی:

(۱) ترجمہ حدائق البلاغۃ	مولوی امام بخش صہبائی
(۲) بحر الفصاحت	مولوی نجم الغنی رام پوری۔ نجمی
(۳) معیار البلاغۃ	پنڈت دیبی پرشاد سحر
(۴) تذکرۃ البلاغۃ	مولوی ذوالفقار علی

(۵) دریائے لطافت — سید انشاء اللہ خاں انشاء
(۶) حدائق البلاغۃ (اصل فارسی) — سید شمس الدین فقیر دہلوی

اور اس طرح یہ خلاصہ بارِ دگر وجود میں آیا۔

خلاصہ نگاری

خلاصہ کیا ہوتا ہے؟ کسی کتاب کی روح اور اس کا نچوڑ۔ خلاصہ نگار کا اسلوب ایسا ہونا چاہیے کہ اختصار و جامعیت اور سلاست کے ساتھ مضمون کا پلاٹ ہو جائے۔ اور یہ فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ میں..... اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوں۔

ترجمہ حدائق البلاغۃ کے غوامض

مولانا صہبائی کی یہ کتاب اگرچہ جامع اور بے مثل کتاب ہے۔ لیکن اس عہد کی پیداوار ہے جب اردو نثر نگاری کا اسلوب نکھرا نہ تھا اور وہ ابتدائی منازل طے کر رہی تھی۔ اس کے ماسوا کسی فن کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنا بجائے خود کٹھن کام ہے۔ جس میں قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کا احتمال رہتا ہے۔ ان اسباب کے زیرِ اثر طلبہ کو ترجمہ حدائق البلاغت کی تفہیم میں متعدد دشواریوں سے دوچار ہونا ناگزیر تھا:۔

(۱) طلبہ کے لیے فنِ بلاغت کا نامانوس ہونا۔
(۲) فنی اصطلاحات کی رعایت کے پیشِ نظر ترجمے کا روزمرہ سے بعید ہونا۔
(۳) ایک صدی قدیم اسلوبِ نگارش اور اندازِ بیان سے ناواقفیت۔

چنانچہ اس تلخیص میں ان امور کے حل کی جانب خاص توجہ رہی ہے اور حسبِ ذیل امور کا خاص اہتمام کیا ہے:۔

(۱) عبارت سلیس و عام فہم ہے اور اس کو پیراگراف میں تقسیم کر دیا ہے۔
(۲) اسلوب بیان روزمرہ کے مطابق شائستہ اور سہل رکھا ہے۔
(۳) امثلہ میں اشعار شائستہ اور دل آویز استعمال کیے ہیں۔

اور اس طرح اِن مشکلات پر قابو پایا ہے جن کی بنا پر یہ فن نامانوس بنا ہوا تھا اور طلبہ کی طبیعت اس کی تفہیم سے ابا کرتی تھی۔

مجھے یقین ہے کہ میری یہ کوشش طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو گی اور وہ اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کریں گے۔ اور میری یہ قلمی کاوش بھی قبول عام حاصل کرے گی

تشکر

مجھے خوشی ہے کہ میرے عزیز شاگرد پریم ناتھ کھنہ سلمہٗ اللہ تعالےٰ ادیب فاضل ایم اے نے روح بلاغت کی نقل مجھے عنایت فرمائی۔ اور میں اسے شائع کرا سکا۔ جس کا میں ہی نہیں۔ میرا دل بھی شکرگزار ہے۔

نیز میں اپنے عزیز شاگرد محمد یونس باڑی سلمہ اللہ تعالےٰ ادیب فاضل کا بھی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے عدیم الفرصتی کے باوجود روحِ بلاغت کی کاپیاں اور پروف پڑھنے میں میرا ہاتھ بٹایا اور مجھے سہولت بہم پہنچائی۔

جزاکم اللہ خیر الجزاء

اخلاق دہلوی
پہلی فروری ۱۹۵۲ء
لال محل بستی حضرت نظام الدین اولیاء رح
دہلی ۱۳
(ہندوستان)

فصاحت و بلاغت

نثر و نظم اور گفتگو کا عیوب سے پاک ہونا فصاحت ہے اور اس کا حالات کے مطابق ہونا بلاغت ہے۔

جو فقرہ یا شعر قواعد (صرف و نحو) کے مطابق ہو۔ فعل و فاعل وغیرہ مناسب جگہ پر ہوں اور تنافر و تعقید وغیرہ عیوب سے پاک ہو تو خواہ حالات کے مطابق ہو یا نہ ہو اسے فصیح کہتے ہیں۔ مثلاً کشمیر بھارت کا پایۂ تخت ہے تو چونکہ یہ جملہ قواعد کی رو سے درست اور عیوبِ کلام سے پاک ہے اس لیے فصیح تو ہے۔ مگر بلیغ نہیں ۔۔۔ البتہ یہ جملہ کہ دلی بھارت کا پایۂ تخت ہے۔ چونکہ یہ قواعد کی رو سے درست۔ عیوب سے پاک اور حالات کے مطابق ہے۔ فصیح بھی ہے اور بلیغ بھی۔ بلیغ ہونے کے لیے جملہ کا فصیح ہونا لازم ہے۔

علم بلاغت سے واقف ہونے کا مدعا یہی ہے کہ یہ سمجھا جا سکے کہ کلام فصیح و بلیغ ہے یا نہیں ہے۔

علمِ بیان[1]

علمِ بیان وہ علم ہے جس کے قاعدوں کو یاد رکھنے سے ایک مطلب کو مختلف طریقوں سے اس طرح ادا کیا جا سکے کہ بعض سے مطلب بہ آسانی سمجھ میں آجائے اور بعض سے غور و تامل کے بعد دیر سے سمجھ میں آئے اور اظہارِ مدعا میں وہ طریقے مختلف الدلالت[2] ہوں۔

دلالت[3]

کسی جانی پہچانی چیز کی راہ نمائی سے کسی انجان چیز سے واقف ہونا دلالت ہے۔ مثلاً دھنواں دیکھنے سے آگ کو سمجھ لینا۔ گویا کہ دھنویں نے آگ کے سمجھنے میں راہ نمائی کی ہے اسی طرح لفظ شیر سے خاص قسم کے درندے کا تصور ذہن میں آتا گویا کہ لفظ شیر نے خاص قسم کے درندے کے سمجھنے میں راہ نمائی کی ہے۔

الغرض دلالت راہ نمائی کو کہتے ہیں جو لفظ سے یا کسی اور شے کی وساطت سے ظہور میں آتی ہے۔

۱؎ مطلب و مدعا کے ادا کرنے کا علم۔

خواجہ حالیؔ فرماتے ہیں: - علمِ بیان کے اصول جن سے ایک ایک مطلب کو متعدد پیرایوں میں ادا کرنا اور ایک ایک لفظ کو مختلف موقعوں پر برتنا آتا ہے۔ (مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۲۵)

۲؎ راہ نمائی کے مختلف طریقے۔ ۳؎ راہ نمائی۔

دال و مدلول

دال[1] | وہ جانی پہچانی چیز جس کی راہ نمائی سے کوئی ان جان چیز جانی جائے جیسے امثلۂ بالا میں دھنواں اور شیر دال ہیں اس لیے کہ ان کی راہ نمائی سے آگ اور خاص قسم کا درندہ سمجھے گئے جو پہلے ذہن میں نہ تھے۔

مدلول[2] | وہ ان جان چیز جو کسی جانی پہچانی شے کی راہ نمائی سے جانی جائے۔ جیسے امثلۂ بالا میں آگ اور خاص قسم کا درندہ جو پہلے ذہن میں موجود نہ تھے اور ان ہر دو کی راہ نمائی سے ذہن میں آئے۔

دلالت کی قسمیں

دلالتِ لفظی | وہ دلالت جو کسی لفظ کی وساطت سے واقع ہو۔ دلالت لفظی ہے۔ مثلاً شیر کی دلالت، خاص قسم کے درندے کے لیے یا لفظ انسان کی دلالت۔ حیوانِ ناطق (آدمی) کے لیے، دلالت لفظی ہے اور ان امثلہ میں شیر اور انسان، دال ہیں اور خاص قسم کا درندہ اور حیوانِ ناطق (آدمی) مدلول ہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں پہلے دونوں لفظوں (شیر و انسان) کی راہ نمائی سے ذہن میں آئی ہیں (لفظِ دلالت۔ لفظ کے معنی دال۔ اور جو کیفیت ذہن میں پیدا ہو وہ مدلول۔ ہے)

دلالتِ غیر لفظی | وہ دلالت جو کسی لفظ کی وساطت سے واقع نہ ہو۔ بلکہ دلالت کرنے والی کوئی اور شے ہو۔ مثلاً دھنواں دیکھ کر

---

[1] راہ نمائی کرنے والا۔ [2] جس کی راہ نمائی کی گئی ہو۔

آگ کو سمجھ لینے میں نظر نے کام کیا ہے لفظ نے نہیں، اس لئے یہ دلالت غیر لفظی ہے۔ اس میں دھواں دال ہے اور آگ مدلول۔ اور دھوئیں کا راہ نمائی کرنا دلالت ہے۔

(علم بیان میں دلالت غیر لفظی سے کام نہیں لیا جاتا)

دلالتِ لفظی کی قسمیں

دلالتِ لفظی وضعی[1] لفظ کا ایسے مطلب و معنی[1] کے لیے دلالت کرنا جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے۔ دلالتِ لفظی وضعی ہے مثلاً شیر سے حیوان درندہ اور انسان سے حیوان ناطق مراد ہو۔ کیونکہ یہ لفظ ان ہی مطلب و معنی کے لیے بنائے گئے ہیں اسے مطابقی بھی کہتے ہیں۔

(علم بیان میں دلالتِ لفظی وضعی سے واقفیت مقدم ہے)

دلالتِ لفظی عقلی لفظ کا ایسے معنی و مطلب کے لیے دلالت کرنا جو اس کے وضعی معنی نہ ہوں بلکہ جزوی یا لازمی معنی ہوں جو عقل سے یا اٹکل (اندازے) سے سمجھے جائیں۔ مثلاً دیوار کے پیچھے بولنے والے کی آواز سن کر یہ سمجھ لیا کہ کوئی بول رہا ہے چاہے اس کی بات کا مطلب بھی سمجھ میں نہ آئے۔ دلالتِ عقلی ہے۔

دلالتِ عقلی کی قسمیں

دلالتِ تضمنی وہ عقلی دلالت جس سے کسی لفظ کے معنی کا جزو مراد ہو۔ مثلاً یہ کہیں کہ دانتوں میں انگلی دبالی، اور انگلی سے مراد انگلی کی پور

---

[1] وہ معنی جو اس لفظ کے لیے بنانے والے نے بنائے ہیں۔ انھیں اصلی اور حقیقی بھی کہتے ہیں۔

ہو، جو اس کا جزو ہے۔ ع اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے (حسرت موہانی)

دلالتِ التزامی وہ عقلی دلالت جس سے کسی لفظ کے لازمی معنی مراد ہوں مثلاً یہ کہیں کہ وہ ہنسوڑ بھی بولے اور ہنسوڑ (زیادہ ہنسنے والے) سے انسان مراد ہو تو یہ اس کے لازمی معنی ہیں کیونکہ یہ معنی نہ تو لفظ ہنسوڑ کے اصلی یا وضعی ہیں اور نہ اس کا جزو ہیں بلکہ لازم سمجھ لیے گئے ہیں۔

ہدایت علمِ بیان میں وضعی معنی کی بجائے لازمی اور تضمنی معنی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے دلالتِ عقلی ہی بہ کار آمد ہے۔ البتہ دلالتِ وضعی سے واقفیت مقدم ہے۔ ورنہ وضعی اور عقلی معنی میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔

ظہور و خفا

جب کوئی لفظ عقلی یا غیر وضعی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک ظہور دوسری خفا۔

ظہور وہ معنی مراد لینا جو آسانی سے سمجھ میں آجائیں اور ان تک ذہن کو پہنچنے کے لیے زیادہ مراحل طے کرنے نہ پڑیں اور درمیانی کڑیاں (واسطے) بھی زیادہ نہ ہوں اسے ظہور کہتے ہیں۔

خفا وہ معنی مراد لینا جو آسانی سے سمجھ میں نہ آئیں اور ان تک ذہن کو پہنچنے کے لیے زیادہ مراحل طے کرنے پڑیں اور درمیانی کڑیاں (واسطے) بھی زیادہ ہوں۔ اُسے خفا کہتے ہیں۔

مختلف الدلالت ہونا مختلف الدلالت کا مطلب یہ ہے کہ اظہارِ مدعا کا طرز جداگانہ ہو اور مفہوم تک پہنچنے کے لیے ذہن کو مختلف راہیں طے کرنی پڑیں اور یہ صورت لفظ کو لازمی اور تضمنی معنی میں

استعمال کرنے سے پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اس جملے کا مفہوم کہ زید مرگیا۔ کئی طریق سے ادا کیا جاسکتا ہے جو اظہارِ مدعا میں مختلف الدّلالت ہیں۔ مثلاً:-

(۱) زید مرگیا۔

یہ جملہ صاف اور سادہ ہے اور ذہن براہِ راست اور بآسانی مفہوم تک پہنچ جاتا ہے۔

(۲) زید کا نیّرِ حیات بے نور ہوگیا۔

اس جملے میں حیات کو نیّر سے تشبیہ دی ہے۔ حیات مشبّہ[1] اور نیّر مشبّہ بہ[2] ہے نیز حرفِ تشبیہ کو محذوف کرکے مشبہ بہ کو مشبّہ کا مضاف کیا ہے۔ اس لیے یہ تشبیہ مؤکد[3] ہے۔ اور بے نور ہونا موت سے استعارہ[4] ہے۔ موت مستعارلہٗ[5] محذوف ہے اور بے نور ہونا مستعار منہ[6] ہے، اور یہ استعارہ تبعیہ[7] ہے (

(۳) زید موت کے آغوش میں جا سویا۔

اس جملے میں موت کو انسان سے تشبیہ دی ہے۔ انسان مشبہ بہ ہے جو محذوف ہے اور آغوش مذکور ہے جو انسان کے اوصاف و مناسبات سے ہے۔ اس اعتبار سے یہ استعارہ بالکنایہ ہے نیز سونا موت سے استعارہ ہے اور یہ استعارہ تبعیہ ہے۔

ان جملوں کی تشریح سے واضح ہے کہ ذہن کو مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مختلف منازل طے کرنی پڑی ہیں اور یہی مختلف صورتیں مختلف الدلالت ہیں

---

[1] جس کو تشبیہ دی جائے جیسے رخسار۔ [2] جس سے تشبیہ دی جائے جیسے گل۔ [3] تشبیہ مؤکد وہ تشبیہ ہے جس میں حرف تشبیہ نہ ہو جیسے گلِ رخسار [4] وہ لفظ جو مشبہ بہ کے معنی پر دلالت کرے [5] مشبہ کے معنی جو مستعار لیے گئے ہوں۔ [6] مشبہ بہ کو مستعار منہ کہتے ہیں۔ [7] تبعیہ وہ استعارہ جس میں کوئی فعل مستعار ہو۔

مترادف الفاظ مختلف الدلالت نہیں ہوتے

مترادف وہم معنی الفاظ کی صورت میں چونکہ ذہن کو مفہوم تک پہنچنے کے لیے مختلف راہیں طے کرنی نہیں پڑتیں اور وضعی معنی معلوم ہونے کی بنا پر ذہن براہ راست مفہوم تک پہنچ جاتا ہے اور معنی کے ظہور و خفا میں تفاوت نہیں ہوتا اسی لیے مترادف الفاظ مختلف الدلالت نہیں ہوتے ۔ مثلاً :-

(۱) شیر آیا (۲) غضنفر آیا (۳) اسد آیا (۴) ضیغم آیا ۔

ان جملوں میں شیر ۔ غضنفر ۔ اسد اور ضیغم اگرچہ مختلف لفظ ہیں، لیکن مترادف اور ہم معنی ہیں اور بنانے والے نے انھیں ایک ہی معنی کے لیے بنایا ہے جس میں انھیں استعمال کیا گیا ہے ۔ اور وہ معنی ہیں خاص قسم کا درندہ (شیر) لہٰذا جو ان کے معنی سے واقف ہے اس کا ذہن ان کے معنی تک براہ راست پہنچ جائے گا اندا اُسے مختلف مراحل سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا جو مختلف الدلالت ہونے کے لیے ضروری ہے ۔

البتہ الفاظ مترادف کے معنی سے ناواقفیت کی بنا پر جو دشواری لاحق ہوتی ہے اس کا تعلق مختلف الدلالت سے نہیں بلکہ جہل اور عدم واقفیت سے ہے جس کے تدارک کے لیے وضعی معنی سے آگاہی درکار اور مقدّم ہے ۔

حقیقت اور مجاز

لفظ کو حقیقی یا وضعی معنی میں استعمال کرنے سے صرف ایک ہی معنی مراد ہوتے ہیں اور مختلف معنی پیدا نہیں ہوتے اور مختلف طریق سے استعمال نہیں کیا جا سکتا لہٰذا لفظ کو مختلف معنی اور مختلف طریق سے استعمال کرنے کے لیے

مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہی مقتضا ہے علم بیان کا اسی لیے حقیقت و مجاز کی اہمیت سے واقفیت بھی مقدم ہے۔

حقیقت کیا ہے؟

حقیقت | لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جو اس کے لیے بنانے والے نے بنائے ہیں اُسے حقیقت کہتے ہیں۔ مثلاً شیر کو حیوانِ درندہ کے معنی میں استعمال کرنا حقیقت ہے (دلالت لفظی وضعی حقیقت ہے)

حقیقت کی قسمیں

(حقیقت کی چار قسمیں ہیں)

(۱) حقیقتِ لغوی | لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جو اہلِ لغت نے اس کے لیے بنائے ہیں مثلاً شیر بہ معنی حیوانِ درندہ۔

(۲) حقیقت شرعی | لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جو اہلِ شرع نے اس کے لیے بنائے ہیں مثلاً صلوٰۃ بہ معنی نماز۔

(۳) حقیقتِ عرفی خاص | لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جو کسی گروہ نے (نحویوں کے گروہ نے یا صرفیوں کے گروہ نے) اس کے لیے بنا لیے ہوں مثلاً فعل بہ معنی ماضی۔ مضارع حال و مستقبل حقیقت عرفی خاص کو حقیقت اصطلاحی بھی کہتے ہیں۔

(۴) حقیقت عرفی عام | لفظ کو اس معنی میں استعمال کرنا جو اس کے لیے عام لوگوں نے بنا لیے ہوں مثلاً تعزیہ بہ معنی حضرت امام حسین علیہ السلام کا تابوت سے

مومنو! ازیرِ زمیں تعزیئے دفناتے ہیں
آج دنیا سے حسین ابنِ علی جاتے ہیں
(معنیٰ حقیقی کو معنیٰ وضعی، معنیٰ اصلی اور معنیٰ غیر مجازی بھی کہتے ہیں)

مجاز کسے کہتے ہیں؟

مجاز | لفظ کو اس معنیٰ میں استعمال کرنا جو اس کے لیے بنائے نہ گئے ہوں اس صورت میں حقیقت اور مجاز کے درمیان کوئی علاقہ یا قرینہ ضرور ہوتا ہے مثلاً بہادر کو شیر بنانے میں مشابہت کا علاقہ ہے۔

مجاز کی قسمیں

(مجاز کی چار قسمیں ہیں)

(۱) **مجازِ لغوی** | اس لفظ کو جس کے معنیٰ اہلِ لغت بنا چکے ہوں مجازی معنیٰ میں استعمال کرنا مجازِ لغوی ہے۔ مثلاً شیر بہ معنی بہادر استعمال کرنا

(۲) **مجازِ شرعی** | اس لفظ کو جس کے معنی اہلِ شرع بنا چکے ہوں مجازی معنیٰ میں استعمال کرنا مجازِ شرعی ہے مثلاً صلوٰۃ بہ معنی دعا استعمال کرنا۔

(۳) **مجازِ عرفی خاص** | اس لفظ کو جس کے معنیٰ کسی گروہ نے بنا لیے ہوں مجازی معنیٰ میں استعمال کرنا مجازِ عرفی خاص ہے مثلاً فعل کو کام کے معنی میں استعمال کرنا مجازِ عرفی خاص ہے

(مجازِ عرفی خاص کو مجازِ اصطلاحی بھی کہتے ہیں)

(۴) **مجازِ عرفی عام** | اس لفظ کو جس کے معنی عام لوگوں نے بنا لیے ہوں۔

مجازی معنی میں استعمال کرنا مجازِ عرفی علم ہے۔ مثلاً تعزیہ کو ماتم پرسی کے معنی میں استعمال کرنا۔

(مجازی معنی کو معنیٰ غیر وضعی۔ معنی غیر اصلی اور معنی غیر حقیقی بھی کہتے ہیں)

علم بیان کے مقاصد چہارگانہ

علم بیان چار مقاصد پر مشتمل ہے اور اس کے زیرِ عنوان ان ہی چار مقاصد کو ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) تشبیہ (۲) استعارہ (۳) مجاز مرسل (۴) کنایہ

یہ مقاصد چہارگانہ بہ طریقِ ذیل صورت پذیر ہوتے ہیں۔ لفظ کو جب مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے تو دو صورتیں ہوتی ہیں:

(۱) مجازی معنیٰ وضعی معنیٰ کے منافی اور مخالف ہوں

(۲) مجازی معنی وضعی معنیٰ کے منافی اور مخالف نہ ہوں

اگر مجازی معنیٰ وضعی معنی کے منافی اور مخالف ہیں تو اس کی دو حالتیں ہوں گی۔

(الف) اگر مجازی معنیٰ اور وضعی معنیٰ کے درمیان مشابہت کا تعلق ہے تو استعارہ ہے

(ب) اگر مجازی معنیٰ اور وضعی معنیٰ کے درمیان مشابہت کا تعلق نہیں بلکہ کوئی اور تعلق ہے تو مجازِ مرسل ہے

اگر مجازی معنیٰ۔ وضعی معنیٰ کے منافی اور مخالفت نہیں تو اس کی دو حالتیں ہوں گی۔

(الف) اگر مجازی معنیٰ اور وضعی معنیٰ میں مشابہت کا تعلق ہے تو تشبیہ ہے۔

(ب) اگر مجازی معنی اور وضعی معنیٰ میں مشابہت کا تعلق نہیں بلکہ مجازی اور وضعی دونوں معنی مراد لیے جا سکیں تو کنایہ ہے۔

علمِ بیان کا پہلا مقصد

تشبیہ

تشبیہ۔ ایک چیز کو دوسری چیز جیسا بتانا

علم بیان کی رو سے تشبیہ کی تعریف ایک وصف میں دو چیزوں کا بلا تجرید و بلا استعارہ شریک ہونا تشبیہ ہے۔

تجرید کسی چیز کا کسی وصف میں اتنا کامل ہونا کہ اس سے اسی جیسی کوئی دوسری چیز حاصل کی جا سکے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ پہلی چیز اپنی خوبی میں کامل ہے۔ صہبائی سے

آتشِ غم ایسی کچھ بھڑکی کہ پل میں ہو گیا
داغِ دل سے آفتابِ روزِ محشر آشکار

داغِ دل کی سوزش میں مبالغہ منظور ہے۔ یعنی داغِ دل کی سوزش اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اس سے آفتابِ روزِ محشر جلوہ گر ہو گیا ہے۔ یہ تشبیہ نہیں تجرید ہے

اگرچہ بظاہر تشبیہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ ایک صنعت ہے علم بدیع کی

استعارہ لفظ کو مجازی معنیٰ میں اس خوبی سے استعمال کرنا کہ اصلی اور مجازی معنیٰ میں تشبیہ کا تعلق ہو تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ مثلاً گل سے رخسار مراد ہو۔

تشبیہ کے ارکانِ پنجگانہ

(۱) طرفینِ تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) (۲) وجہ شبہ (۳) حروفِ تشبیہ (۴) غرضِ تشبیہ (۵) اقسامِ تشبیہ۔

ارکانِ تشبیہ کی تعریف

(۱) طرفین تشبیہ مشبہ و مشبہ بہ کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں۔

(الف) مشبہ ۔ وہ شے جس کو کسی اور شے سے تشبیہ دی جائے۔ مثلاً گل جیسے رخسار ہیں، رخسار کو گل سے تشبیہ دی ہے۔ لہٰذا رخسار مشبہ ہے۔

(ب) مشبہ بہ ۔ وہ شے جس سے کسی شے کو تشبیہ دی جائے مثلاً گل جیسے رخسار ہیں گل سے رخسار کو تشبیہ دی ہے۔ اس لیے گل مشبہ بہ ہے

(۲) وجہ شبہ دو چیزوں میں یکسانیت یا مشابہت کا سبب یا وہ معنیٰ یا وہ وصف جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں پایا جائے مثلاً رخسار اور گل میں نرمی اور سرخی۔ جو دونوں میں یکساں اور وصفِ مشترک ہے۔ اس کو وجہ شبہ کہتے ہیں۔ وجہ مشبہ کو وجہ تشبیہ بھی کہتے ہیں۔

(۳) حروفِ تشبیہ وہ حروف جن سے ایک چیز کا دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو یا وہ حروف جو مشابہت کو ظاہر کریں مثلاً جیسے۔ جیسا۔ جیسی۔ مانند۔ مثل وغیرہ (حروفِ تشبیہ کی تفصیل صفحہ ۳۱ پر ہے)

(۴) غرضِ تشبیہ وہ مقصد جس کے حاصل کرنے کے لیے تشبیہ دی جائے۔ مثلاً گل۔ جیسے رخسار میں رخسار کی دل فریبی اور نظر افروزی غرضِ تشبیہ ہے۔

(۵) اقسامِ تشبیہ یہ رکن ارکان پنج گانہ میں سے پانچواں رکن ہے اور اس کے ذیل میں وہ تمام اقسامِ تشبیہ آتی ہیں جو ہر رکن کے اثر و اعتبار سے صورت پذیر ہوتی ہیں۔

(تشبیہ کا پہلا رکن)

(۱) طرفینِ تشبیہ
(حسّی و عقلی)

طرفینِ تشبیہ یعنی مشبہ و مشبہ بہ کبھی دونوں حسّی ہوتے ہیں جو حواسِ خمسہ ظاہری سے محسوس کیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے طرفینِ تشبیہ کی چار صورتیں ہوتی ہیں:۔

(۱) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسّی ہوں جیسا کہ اس مصرع میں ہے۔

ع بدن آئینہ سا دمکتا ہوا

بدن مشبہ حسّی۔ آئینہ مشبہ بہ حسّی۔

(۲) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں جیسا کہ اس مصرع میں ہے۔

ع نگہ آفت و چشم عین بلا

نگہ مشبہ عقلی ۔ آفت مشبہ بہ عقلی ۔

(۳) مشبہ عقلی ہوا اور مشبہ بہ حسّی جیسا کہ اِس مصرع میں ہے۔

ع زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

زندگی مشبہ عقلی ہے اور طوفان مشبہ بہ حسّی ۔

(۴) مشبہ حسّی ہو اور مشبہ بہ عقلی جیسا اس مصرع میں ہے۔

ع نگہ آفت و چشم عین بلا

چشم مشبہ حسّی اور بلا مشبہ بہ عقلی ہے ۔

ظاہری اور باطنی حواس کی پانچ پانچ قسمیں ہیں لہذا متعدد صورتیں جلوہ گر ہوتی ہیں

حواسِ خمسہ ظاہری

(۱) باصرہ (دیکھنے کی قوت) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ایسے ہوں جو آنکھوں سے دیکھے جاسکیں مثلاً گل جیسے رخسار ہیں گل ور خسار دونوں دیکھی جانے والی چیزیں ہیں۔

(۲) سامعہ (سننے کی قوت) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ایسے ہوں جو سنے جاسکیں مثلاً نغمے جیسی آواز۔ نغمہ اور آواز دونوں سننے کی چیزیں ہیں۔

(۳) شامہ (سونگھنے کی قوت) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ایسے ہوں جو سونگھے جاسکیں۔ مثلاً عطر جیسا پسینہ۔ عطر اور پسینہ دونوں سونگھنے کی چیزیں ہیں

(۴) ذائقہ (چکھنے کی قوت) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ایسے ہوں جو چکھے جاسکیں مثلاً شہد جیسا لعابِ دہن شہد اور لعابِ دہن دونوں چکھنے کی چیزیں ہیں

(۵) لامسہ (چھونے کی قوت) مشبہ و مشبہ بہ دونوں ایسی چیزیں ہوں جو چھوئی جاسکیں مثلاً فرشِ گل جیسا نرم بچھونا۔ فرشِ گل اور نرم بچھونا دونوں چھونے کی چیزیں ہیں :-

حواسِ خمسہ باطنی

(۱) حِسِّ مشترک جو شے حواسِ خمسہ ظاہری سے محسوس ہوتی ہے یہ قوت اُسے اپنے خزانے میں محفوظ کرلیتی ہے۔ یہ قوت دماغ کے اگلے حصے میں ہوتی ہے۔ اگر یہ قوت نہ ہو تو حواس سے کوئی کام نہیں لیا جاسکتا چنانچہ سوتے وقت کان اگرچہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہ قوت کام نہیں کرتی اس لیے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

(۲) قوتِ خیال یہ حِسّ مشترک کا خزانہ ہے اس کی جگہ دماغ کے اگلے حصہ کے پیچھے ہے۔ یہیں ان معلومات کا ذخیرہ جمع ہوتا رہتا ہے جو حِسِّ مشترک جمع کرتی ہے۔

(۳) متخیلہ یا متفکرہ جو معلومات خیال کے خزانے میں محفوظ ہوتی ہے یہ قوت کبھی اسے (ایک دوسرے سے) ملاتی ہے اور کبھی علیحدہ کرتی ہے۔ چنانچہ دس سر کے آدمی کا تصور ملانے کی تمثیل ہے اور بے سر کے آدمی کا تصور علاحدگی کی مثال ہے۔ یہ قوت دماغ کے درمیانی خانے کے پچھلے حصے میں ہوتی ہے۔

(۴) واہمہ یا قوتِ وہم یہ قوت محسوس ہونے والی صورتوں یا چیزوں سے ایسی باتیں اخذ کرتی ہے جو پہلے سے معلوم و محسوس نہ ہوں۔ مثلاً کسی شے کو دیکھ کر یہ اندازہ کرلینا کہ یہ مفید ہے یا مضر۔ یہ

قوت دماغ کے درمیانی خانے کے دوسرے حصے میں رہتی ہے۔

(۵) حافظہ یا متصرفہ | یہ قوتِ وہم کا خزانہ ہے جو معلومات قوت وہم فراہم کرتی ہے یہ اسے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ قوت دماغ کے آخری حصے میں رہتی ہے۔

بعض چیزیں ذوق و وجدان سے متعلق ہوتی ہیں مثلاً لطف۔ لذت خوشی اور رنج وغم۔ . . اور چونکہ وجدان و ذوق حسیّ نہیں مانے جاتے اس لیے ان کا شمار بھی عقلی میں ہوتا ہے۔

حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی کے خواص

حواس خمسہ ظاہری کے اقسام میں بدستور قائم رہنے کی صلاحیت ہے اس لیے وہ بدستور رہتے ہیں لیکن چونکہ حواس خمسہ باطنی کے اقسام میں یہ صلاحیت نہیں اس لیے ان میں تصرف سے کام لیا جاتا ہے اور حسبِ ذیل اقسام صورت پذیر ہوتی ہیں۔ جو عقلی متصورہ ہوتی ہیں۔ اور انھیں تشبیہ عقلی کہتے ہیں۔

تشبیہ عقلی کی منتخب قسمیں

(۱) عقلی محض | جو مشبہ یا مشبہ بہ محسوسات میں شمار نہ ہوسکیں وہ تشبیہ عقلی محض ہے۔

(۲) وہمی | جو مشبہ یا مشبہ بہ قوت متخیلہ نے اختراع کی ہوں اور اصل میں ان کا وجود نہ ہو۔ تشبیہ وہمی و عقلی ہے۔ اگر وجود ہو تو محسوسات ہی سے ہو۔

(۳) وجدانی | وہ مشبہ یا مشبہ بہ جو صرف وجدان یا ذوق سے محسوس ہو

اور عقل یا حواس سے محسوس نہ ہو۔ تشبیہ وجدانی ہے۔

(۴) خیالی مشبہ و مشبہ بہ کو قوت متخیلہ نے ایسی چیزوں سے ترکیب دیا ہو جو حسی ہوں اور چونکہ خیالی کے اجزا حسی ہوتے ہیں لہٰذا عقلی ہونے کے باوجود سہولتِ کار کی غرض سے اسے حسی میں شمار کیا جاتا ہے۔

حسی و عقلی طرفین تشبیہ کا شجرہ

(۱) حسی (۲) خیالی

(۱) عقلی (۲) وہمی (۳) وجدانی

شجرہ

- حسی
  - حسی مطلق — حواس خمسہ ظاہری
    - باصرہ
    - سامعہ
    - شامہ
    - ذائقہ
    - لامسہ
  - خیالی
- عقلی — مشبہ و مشبہ بہ دونوں عقلی
  - عقلی مطلق — حواس خمسہ باطنی
    - حس مشترک
    - خیال
    - متخیلہ یا متفکرہ
    - واہمہ یا وہم
    - حافظہ یا متصرفہ
  - وہمی
  - وجدانی
- مشبہ حسی مشبہ بہ عقلی
- مشبہ عقلی مشبہ بہ حسی

نوٹ:۔ خیال کو حسی میں اور وہمی و وجدانی کو عقلی میں اختصار کے لیے شامل کرلیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ تینوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(تشبیہ کا دوسرا رکن)

(۲) وجہ تشبیہ

مشابہت کا سبب

وجہ شبہ | دو چیزوں میں یکسانیت کا سبب یا وہ معنی یا وہ وصف جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں پایا جائے مثلاً رخسار اور گل میں نرمی اور سرخی وصف مشترک اور وجہ شبہ ہے۔ وجہ شبہ کو وجہ تشبیہ بھی کہتے ہیں

اوصافِ مشترک کے اعتبار سے وجہ شبہ کا احوال

جو اوصاف مشبہ و مشبہ بہ میں مشترک یا متفرق ہوتے ہیں وہ تین اقسام پر مشتمل سمجھے جاتے ہیں (۱) صفتِ حقیقی (۲) صفتِ اضافی (۳) صفتِ اعتباری

(۱) صفتِ حقیقی | صفت حقیقی وہ صفت ہے۔ جو موصوف کی ذات میں داخل ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(ا) صفتِ حقیقی حسی | وہ صفت جو حواسِ خمسہ ظاہری سے محسوس ہو مثلاً آگ کی گرمی۔ برف کی برودت (خنکی)

(ب) صفتِ حقیقی عقلی | وہ صفت جو عقل سے سمجھی جائے مثلاً ذہن کی تیزی غصہ اور شجاعت وغیرہ۔

(۲) صفتِ اضافی | وہ صفت جو موصوف کی ذات میں داخل نہ ہو بلکہ اس سے تعلق رکھتی ہو مثلاً کسی چیز کا مالک ہونا۔ دلیل کو آفتاب سے تشبیہ دینا کہ اس میں روشنی اور چھپی چیز پر سے پردہ اٹھانا وجہ شبہ ہے

(۲) صفتِ اعتباری | وہ صفت جو اصل میں تو اس سے تعلق رکھتی نہ ہو لیکن عقلی طور سے اس سے متعلق مان لی گئی ہو مثلاً بھوت کے لیے درندے جیسی شکل دانت اور پنجے تصور کر لینا وغیرہ

تعداد کے اعتبار سے وجہ شبہ کا احوال

(۱) وجہ شبہ مفرد یا واحد۔ (۲) وجہ شبہ مرکب بہ منزلۂ واحد (۳) وجہ شبہ متعدد

(۱) وجہ شبہ مفرد یا واحد | وہ وجہ شبہ ہے جو ایک وصف ہو یا ایک حقیقت ہو مثلاً دیا شنکر نسیمؔ لکھنوی کے اس شعر میں ؎

دکھلاتا تھا وہ مکانِ جادو
محراب سے درؔ سے چشم و ابرو،

مشبہ	مشبہ بہ	وجہ شبہ مفرد یا واحد
محراب	ابرو	نصف دائرے جیسی گولائی
در	چشم	کشادگی اور کھلا ہوا ہونا

وجہ شبہ مفرد یا واحد کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) وجہ شبہ مفرد حسّی | وہ وجہ شبہ ہے جو حواسِ خمسہ ظاہری سے محسوس ہو اور مفرد ہو مثلاً نسیم لکھنوی کا یہ شعر ؎

تھرائیں خواصیں صورتِ بید
اک اک سے پوچھنے لگی بھید

خواصیں مشبہ۔ بید مشبہ بہ۔ تھرائیں وجہ شبہ مفرد حسّی۔
وجہ شبہ مفرد حسی کے لیے طرفین تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) کا حسّی ہونا ضروری ہے اور اِن میں بھی دونوں حسّی ہیں اور وجہ شبہ بھی مفرد حسّی ہے۔

(ب) وجہ شبہ مفرد عقلی | وہ وجہ شبہ ہے، جو عقل سے سمجھی جائے۔ مثلاً میر تقی میر کا یہ شعر ؎

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

نیم باز آنکھیں مشبہ۔ شراب مشبہ بہ۔ مستی وجہ شبہ مفرد عقلی۔
وجہ شبہ مفرد عقلی میں طرفین تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) کا عقلی ہونا ضروری نہیں حسی بھی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ حسی اشیاء میں عقلی صفت کا ہونا ممکن ہے۔

(۲) وجہ شبہ مرکب یا بہ منزلۂ واحد | وہ وجہ شبہ ہے جو کئی چیزوں کے ملنے سے ایک بنی ہو۔ مثلاً

مرزا غالب کے اِن اشعار میں۔ ؎

بٹتے ہیں سونے روپے کے چھلّے حضور میں
ہے جن کے آگے سیم و زر مہر و ماہ ماند
یوں سمجھیے کہ بیچ سے خالی کیے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

ان میں رنگ، چمک اور صورت و شکل وغیرہ نے مل کر ایک خاص شکل اختیار کی اور وجہ شبہ بنی ہے۔
وجہ شبہ مرکب یا بہ منزلہ واحد کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وجہ شبہ مرکب عقلی | وہ مرکب وجہ شبہ جو عقلی ہو۔ مثلاً میر کے اس شعر میں ؎

اے میر ہیچ مثل ہے جو عالم ہے بے عمل
گویا وہ گدھا ہے کتب سے لدا ہوا

عالم بے عمل مشبہ۔ گدھا مشبہ بہ۔ نفع بخش شے سے فائدہ نہ اٹھانا اور

بے سود زحمت برداشت کرنا وجہ شبہ مرکب عقلی ہے۔

(ب) وجہ شبہ مرکب حسّی

وہ مرکب وجہ شبہ جو حواس سے محسوس ہو۔ وجہ شبہ مرکب حسّی میں طرفین تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) کا حسّی ہونا ضروری ہے (جیساکہ وجہ شبہ واحد حسّی کے ذیل میں بتایا جا چکا ہے) اس کی چار حالتیں ہیں :-

(الف) مشبہ و مشبہ بہ دونوں مفرد حسّی ہوں اور وجہ شبہ مرکب حسّی ہو۔ مثلاً سوداؔ کے اس مصرع میں۔ ؎

رنجک ہی بہر مشق اڑایا کرے ہے برق

اس میں پانچ چیزیں مل کر یا مرکب ہو کر وجہ شبہ بنی ہیں۔ (۱) روشنی۔ (۲) دفعتاً چمک کا پیدا ہونا۔ (۳) پھر روشنی کا غائب ہو جانا (۴) فضا میں روشنی کا عکس (۵) دیکھنے والوں کی آنکھوں کا جھپکنا نیز رنجک (بارود) اور برق طرفین تشبیہ ہیں اور مفرد حسّی ہیں۔

(ب) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب حسّی ہوں اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہو جیساکہ سوداؔ کے اس شعر میں ؎

چادر تلے ہو آب کے یوں سنگ آبشار
چیں بر جبیں نقاب تلے جوں رخ نکو

سنگ۔ سنگ کا پھیلاؤ۔ سنگ کی خوبصورتی اور چمک مشبہ مرکب حسّی ہے نقاب۔ چیں بر جبیں اور رخِ نکو مشبہ بہ مرکب حسّی ہے۔ نیز چھپا ہوا ہونا (زیر آب) سلوٹیں اور ناہمواری اور خوش نمائی وجہ شبہ مرکب حسّی ہے۔

(ج) مشبہ مفرد حسّی ہو۔ مشبہ بہ مرکب حسّی ہو اور وجہ شبہ بھی مرکب حسّی ہو۔ جیساکہ صہبائی کے اس شعر میں ہے ؎

ہے چشم اس کی یا گُلِ نرگس ہے باغ میں
ہے زلف اس کی یا کہیں آتش پہ ہے دھنوں

چشم و زلف مشبہ مفرد حسّی۔ دھنویں کا آگ پر ہونا، نرگس کا باغ میں ہونا اور خود نرگس مشبہ بہ مرکب حسّی۔ ایک گول سی چیز کا دل کشا جگہ میں ہونا۔ اور ایک روشن چیز پر ایک سیاہ و دراز اور خم دار چیز کا ہونا وجہ شبہ مرکب حسّی ہے۔

(د) مشبہ مرکب حسّی ہو۔ مشبہ بہ مفرد حسّی ہو اور وجہ شبہ مرکب حسّی ہو جیسا کہ سوداؔ کے اس شعر میں ہے۔ ؎

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں گرمیٔ نظارہ سے جاتی ہے پگھل

شاخ اور گل مشبہ مرکب حسّی۔ شمع مشبہ بہ مفرد حسّی۔ پگھلنا اور نزاکت شاخ شمع کی لمبائی اور شاخِ گل کی درازی۔ شمع کی لو اور شاخ پر پھول کا ہونا وجہ شبہ مرکب حسّی ہے۔

مرکباتِ بدیع و نادر

مرکباتِ حسّی میں وہ مرکب بدیع و نادر سمجھا جاتا ہے، جس میں تشبیہ ایسی صورت میں ہو کہ وہ مختلف حرکات یا مختلف اوصاف یا حرکات و سکون کا مجموعہ ہو جیسا کہ میر حسنؔ دہلوی کے اس شعر میں ہے۔ ؎

تمامی کی سنجاف جلوہ کناں
کہ جوں عکسِ مہ زیرِ آب رواں

اس میں چمک دمک۔ لہریں اور جگمگاہٹ وجہ شبہ ہے جو مختلف اوصاف کا مجموعہ ہے۔

مرکباتِ بدیع و نادر کی قسمیں

(۱) صرف حرکات وجہ شبہ ہوں مثلاً اس شعر میں ؎

نفَس کی آمد و شد ہے نمازِ اہلِ حیات
جو یہ قضا ہو تو اے غافلو! قضا سمجھو

اس میں سانس کی آمد و رفت اوپر نیچے ہونا اور نماز میں اٹھنا بیٹھنا، قیام و قعود ایک ہی قسم کی حرکات وجہ شبہ ہے۔

(ب) حرکات کے ساتھ دیگر اوصاف جسمیہ بھی ہوں مثلاً صہبائی کے اس شعر میں ؎

رقص میں وہ مہروش ہے اسطرح سے جلوہ گر
جیسے آب موج زن میں عکس ہو خورشید کا

معشوق کا رقص۔ آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا، ہاتھوں کی جنبش، چکھری پھرنا اور پھر سمٹ سمٹا کر بیٹھنا مشبہ ہے۔ دریا میں آفتاب کا عکس پانی کا مضطربانہ حرکات کے ساتھ آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا۔ پھیلنا اور سمٹنا اور سراپا رقص ہو جانا مشبہ بہ ہے۔ اور مختلف حرکات کے ساتھ کسی صاف و شفاف شئے کا صاف اور روشن شئے میں جلوہ گر ہونا وجہ شبہ ہے۔ اس وجہ شبہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب ہوتے ہیں۔

(۳) وجہ شبہ متعدد — وجہ شبہ کئی ہوں اور ہر ایک کی مستقل حیثیت ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں :

(الف) وجہ شبہ کئی ہوں اور ہر ایک حسی ہو اور ہر ایک علاحدہ ہو اور اس کی مستقل حیثیت ہو مثلاً فارغ کے اس شعر میں ؎

قطرۂ اشک جو نہ نکلا سو وہ گوہر نکلا
بعد مدت کے میری چشم کا جوہر نکلا

قطرۂ اشک اور موتی میں گولائی اور آب داری دو وجہ شبہ ہیں اور وہ دونوں حسّی ہیں اور ہر ایک کی مستقل حیثیت ہے۔

اسی طرح رخسار اور گل کی تشبیہ میں سرخی اور نرمی دو وجہ شبہ ہیں اور دونوں حسّی ہیں اور ہر ایک کی مستقل حیثیت ہے۔

(ب) وجہ شبہ کئی ہوں اور ہر ایک عقلی ہو اور علاحدہ علاحدہ ہوں اور ہر ایک کی مستقل حیثیت ہو۔ مثلاً سودا کے اس شعر میں ہے ؎

بسان دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلی جو کام سے میرے پڑی ہزار گرہ

اس شعر میں کام کی دونوں حالتوں کو دانے کی دونوں حالتوں سے علاحدہ علاحدہ تشبیہ دی ہے۔ کام کا پہلے آسان ہونا اور پھر دشوار ہو جانا دو وجہ شبہ ہیں اور دونوں علاحدہ علاحدہ ہیں اور دونوں عقلی ہیں اور دونوں کی مستقل حیثیت ہے۔

(ج) وجہ شبہ کئی ہوں جن میں کچھ حسّی ہوں اور کچھ عقلی جیسا کہ صہبائی کے اس شعر میں ہے ؎

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبو مرہم کافور کا

اس میں سفیدی اور گولائی دو وجہ شبہ حسّی ہیں اور راحت پہنچانا وجہ شبہ عقلی ہے۔

وجہ شبہ مرکب اور وجہ شبہ متعدد میں فرق

وجہ شبہ مرکب میں کئی وجہ شبہ ہوتی ہیں جو مل کر ایک وجہ شبہ بنتی ہے۔ اور وجہ متعدد میں کئی وجہ شبہ ہوتی ہیں جو مل کر ایک نہیں بنتی بلکہ علاحدہ علاحدہ رہتی ہیں اور مستقل حیثیت رکھتی ہیں۔

استہزا و تضاد

کبھی تمسخر یا مذاق کی غرض سے مشبہ کو بالکل متضاد چیز سے تشبیہ دیتے ہیں مثلاً زید بزدل ہو اور اُسے کہیں کہ رستم ہے۔ ایسی صورت میں گو وجہ شبہ شجاعت یا بہادری ہے لیکن سمجھی نہیں جاتی بلکہ مشبہ کی وہ حالت مبالغے کے ساتھ بیان کرنی مقصود ہوتی ہے جو اس سے بالکل متضاد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس جملہ میں کہ زید بھی تو رستم ہے زید کو رستم کہنے سے یہ مراد ہے کہ رستمؔ جیسا جراءت میں بے مثل اور مشہور ہے ایسا ہی زید بزدلی میں بدنام اور رسوا ہے یا یہ کہ زید بھی تو حاتم ہے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ زید بخل میں اتنا ہی بدنام ہے جتنا حاتم سخاوت میں شہرۂ آفاق ہے۔ یہ صورت استہزا و تضاد کہی جاتی ہے۔ استہزا و تضاد کے اثر سے جو صورت نمودار ہوتی ہے اسے استعارہ عنادیہ کہتے ہیں

(تشبیہ کا تیسرا رکن)

(۳) حروفِ تشبیہ

وہ حروف جن سے ایک چیز کا دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو یا وہ حروف جو مشابہت کو ظاہر کریں؛ انھیں حروفِ تشبیہ کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

سا۔ سے۔ سی۔ جیسا۔ جیسے۔ جیسی۔ ایسا۔ ایسے۔ ایسی۔ ویسا۔ ویسے ویسی۔ کا سا۔ کے سے۔ کی سی۔ آسا۔ ساں۔ بساں۔ سیاں۔ جیساں۔ جیوں۔ جوں۔ مانند۔ طرح۔ مثل۔ مثیل۔ تمثال۔ تمثیل۔ مثال۔ مثلاً۔ عدیل نظیر۔ مشابہ۔ ماننا۔ وش۔ وار۔ بعینہ۔ عین مین۔ ہو بہو۔ رنگ بہ رنگ رنگ۔ صورت۔ بصورت۔ ہم صورت۔ ہم شکل۔ بہ شکل۔ متشکل۔ روش نمط۔ ہم سر۔ طور۔ بہ طور۔ گوں۔ گونہ۔ گویا۔ چہ۔ چوں۔ ہم چو۔ برابر۔۔۔

۔۔۔ حروفِ تشبیہ ہیں۔ اور ان میں سے کوئی ایک حرفِ تشبیہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اُردو میں حرفِ تشبیہ کا مقام مشبہ بہ کے بعد اور مشبہ سے قبل ہے مگر نظم میں تبدیل بھی ہو سکتا ہے۔

ان حروفِ تشبیہ میں سے بعض کا استعمال اب متروک ہے۔ مگر قدما کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان سے واقفیت اور ان کا علم بھی ضروری ہے۔

حروفِ تشبیہ کبھی موجود و مذکور ہوتے ہیں اور کبھی محذوف و مقدر ہوتے ہیں۔ حروفِ تشبیہ کو اداتِ[1] تشبیہ کہتے ہیں۔

---

[1] ادات لغت میں آلے کو کہتے ہیں مگر اصطلاحِ بلاغت میں ایسے حرف کے آنے کو کہتے ہیں جو تشبیہ کو ظاہر کرے۔

(تشبیہ چوتھا رکن)

(۴) غرضِ تشبیہ

وہ مقصد یا غرض جس کے حاصل کرنے کے لیے تشبیہ دی جائے اُسے غرضِ تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ سے عموماً مشبہ کے محاسن یا معائب کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی اس کے برعکس مشبہ بہ کے محاسن کا اظہار پیش نظر ہوتا ہے۔ الغرض مشبہ و مشبہ بہ کے متعلق سے غرضِ تشبیہ کی متعدد صورتیں ظہور میں آتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

مشبہ سے متعلق غرضِ تشبیہ

(۱) جب مشبہ کے ناممکن ہونے کا شبہ ہو اور مشبہ کے وجود کو ناممکن ثابت کرنا مقصود ہو ذوق ؎

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ
تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

کوئی آنکھوں میں رہے یعنی زیرِ نگرانی اور سامنے رہے اور پھر آنکھوں سے پوشیدہ رہے تو یہ بات بہ ظاہر ناممکن ہے۔ لہٰذا اسے نگاہ سے تشبیہ دے کر اس کا ممکن ہونا ثابت کیا ہے۔ ایسی صورت میں مشبہ کا مشہور و متعارف ہونا ضروری ہے۔

(۲) مشبہ کا حال بیان کرنا مقصود ہو۔ سوداؔ ؎

رکھتا ہے پُرغرور کو جوں نیزہ سر بلند
جوں جادہ خاکسار کو دے ہے زمیں پہ ڈال

پُرغرور کو سربلند رکھنے اور خاکسار کو زمیں پر ڈالنے کی حالت نیزے اور جادۂ (ابٹیا) کی تشبیہ سے اچھی طرح ظاہر ہے ایسی صورت میں بھی مشبہ بہ کا مشہور و متعارف ہونا ضروری ہے۔

(۳) مشبہ کے حال کی مقدار یعنی کمی و بیشی یا قوت و ضعف کی حالت کا اظہار مقصود ہو۔ میر صاحب فرماتے ہیں۔ مصرع

کہاں ہے وہ خونِ کبوتر سی ے ؟

یہاں شراب کی سرخی کا اظہار مقصود تھا جو خونِ کبوتر کی تشبیہ سے اچھی طرح ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ کا ہم پلہ ہونا ضروری ہے

(۴) مشبہ کا حال سننے والے کے ذہن نشین کرنا منظور ہو۔ سودا ؎

نہیں ہوں طالبِ رزق آسماں سے کہ مجھے
یقیں ہے کاسۂ واژگوں میں کچھ نہیں ہوتا

آسمان کا نعمت یا رزق سے خالی ہونا کاسۂ واژگوں (اُلٹے پیالے) کی تشبیہ سے بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

(۵) مشبہ کی خوشنمائی یا بدنمائی کا اظہار مقصود ہو اور وہی نقشہ پیش نظر آنے لگے جس کا اظہار منظور ہو۔ مثلاً :۔

(ا) خوشنمائی۔ برقؔ ؎

لال ہونٹوں سے نمایاں دانت موتی سے نہیں
کان ہیرے کی نہاں یاقوت کے معدن میں ہے

ہونٹوں کی لالی اور دانتوں کی خوشنمائی کو ہیرے اور یاقوت کی کان کی تشبیہ نے بہ خوبی جلوہ گر کر دیا ہے۔

(ب) بدنمائی۔ انشاؔ فرماتے ہیں ؎

ہو بیاں کس سے وہ شکوہ وشان
مثلِ اخروٹ تھے وہ دونوں کان

کانوں کی بد نمائی کو اخروٹ کی تشبیہ نے اور بھی بھیانک صورت میں جلوہ گر کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں مشبہ اور مشبہ بہ کا ہم پلہ ہونا مناسب ہوتا ہے

(۶) مشبہ کی ندرت اور انوکھا پن ظاہر کرنا مقصود ہو یا مشبہ کی ایسی صورت بیان کی جائے جو عادت کے مطابق نہ ہو بلکہ محال ہو۔ یہ اکثر تشبیہ وہمی وخیالی میں ہوتا ہے۔ سودا ؎

چہرۂ مہر وشں ہے اک سنبل مشک فام دو
حسنِ بتاں کے دور میں ہے سحر ایک شام دو

دو شاموں کے درمیان ایک سحر کا ہونا عجیب سی بات ہے۔ جو ماورق العادات

مشبہ کی ندرت اور طرفگی (ا) مشبہ کے فی نفسہ نادر اور طرفہ ہونے سے مشبہ بھی نادر اور طرفہ ہو جاتا ہے۔

سودا فرماتے ہیں ؎

فندقِ پا۔ لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہو گا
سرو کی بیخ سے پھولا گل اورنگ اب تک

سرو کی بیخ (جڑ) سے گل اورنگ کا کھلنا فی الواقع ان ہوئی بات ہے ایسا ہونا محال اور طرفہ ہے اور یہ واقعہ ہے کہ مشبہ بہ جس قدر زیادہ مخفی اور زیادہ نادر ہوتا ہے۔ اسی قدر مشبہ کی ندرت واضح ہوتی ہے۔

(ب) مشبہ بہ فی نفسہ نادر اور طرفہ نہ ہو بلکہ مشبہ سے متعلق ہو کر عجیب نقشہ پیش کرے۔ سودا فرماتے ہیں۔ ؎

زلف یوں بکھری ہوئی چہرے پہ ملنگے تھی دل

جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک

دو بچوں کا ایک کھلونے پر ہٹ (ضد) کرنا فی الواقع کچھ انوکھی بات نہیں لیکن زلفوں کے دل مانگنے اور دو بچوں کے ضد کرنے کی تمثیل نے عجیب ندرت پیدا کر دی ہے۔

مشبہ بہ سے متعلق غرضِ تشبیہ

جب مشبہ بہ کے حسن و قبح کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں

(۱) جس چیز میں وجہ شبہ ناقص ہو اسی کو مشبہ بنایا جائے اور اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ یہ ناقص چیز کامل ہے۔ اُسے تشبیہ مقلوب کہتے ہیں اور ادعائے ناقص بہ درجۂ کامل بھی کہتے ہیں۔ مرزا غالب فرماتے ہیں۔

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچہ سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اس قدر آباد نہیں

اس شعر میں کوچے کو کامل اور بہشت کو ناقص ثابت کرنے کے لیے کوچے کو مشبہ بہ اور بہشت کو مشبہ قرار دیا ہے حالاں کہ بہشت کو کامل تصور کر کے مشبہ بہ اور کوچے کو ناقص خیال کر کے مشبہ قرار دیا جاتا ہے مگر چونکہ یہ عام رواج کے برعکس ہے اس لیے اس کو تشبیہ مقلوب یا ادعائے ناقص بہ درجہ کامل کہتے ہیں

(۲) جس چیز کی اہمیت اور اہتمام زیادہ منظور ہو اسی کو مشبہ بہ قرار دیا جائے اور اس سے غرض اہمیت اور اہتمام کا اظہار ہو۔ سودا فرماتے ہیں

تنورِ چرخ سے لینے گرسنے کب کے اتار
ذرا بھی لگتی اگر قرص آفتاب میں سیخ

یہاں آفتاب مشبہ اور قرص (ٹکیہ مراد روٹی) مشبہ بہ ہے اور چونکہ قرص کی اہمیت کا اظہار منظور ہے اس لیے قرص کو مشبہ قرار دیا ہے۔

تشابہ

دو چیزوں میں برابری یا مساوات کے ہونے کو تشابہ کہتے ہیں جیسا کہ سوداؔ کے اس شعر میں ہے ؎

سنبل و زلفِ سیہ ، کاکل و شب چاروں ایک
غمزہ و ناز و ادا جنبشِ لب چاروں ایک

اس شعر میں سنبل کو زلفِ سیہ سے اور کاکل کو شب سے تشبیہ دینا مقصود نہیں بلکہ چاروں میں برابری اور مساوات کا اظہار مطلوب ہے اس لیے یہ تشبیہ نہیں تشابہ ہے۔

تشبیہ اور تشابہ میں فرق

تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں چیزیں برابر یا مساوی نہیں ہوتیں ، بلکہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ اور تشابہ میں دونوں چیزیں برابر ہوتی ہیں۔

(تشبیہ کا پانچواں رکن)

اقسامِ تشبیہ

تشبیہ کا پانچواں رکن اقسامِ تشبیہ ہے جو سابقہ چہار ارکانِ تشبیہ ہی کے اثر و اعتبار سے ظہور میں آتا ہے۔ اور وہ ان شعبہ جات پر مشتمل ہے۔

(۱) طرفینِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں۔
(۲) وجہ شبہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں۔
(۳) حروفِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں۔
(۴) غرضِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں۔
(۵) تشبیہ کا عمومی احوال۔

ان عنوانات کے ماتحت اقسامِ تشبیہ درجِ ذیل ہیں۔

(۱) طرفین تشبیہ

طرفینِ تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں

(۱) طرفینِ تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) دونوں مفرد ہوں اور دونوں میں کوئی قید نہ ہوں جیسے رخسار کی تشبیہ گل سے یا عارض کی تشبیہ آفتاب سے۔
شیخ ناسخ ؎

اس کے ہاں آفتاب عارض ہے
دن ہی آٹھوں پہر ہے رات نہیں

عارض کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے۔ عارض اور آفتاب دونوں مفرد ہیں اور دونوں میں کوئی قید نہیں۔

(۲) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد ہوں لیکن دونوں کے ساتھ کوئی قید ہو۔ ظفر ؎

کوئی کہتا ہے وہ شفاف عارض صبحِ صادق ہے
کوئی کہتا ہے وہ دُر۔ کان کا تابندہ اختر ہے

عارض کے ساتھ شفاف کی اور صبح کے ساتھ صادق کی قید ہے اسی طرح اگر سعیِ بے حاصل کو نقشِ روئے آب سے تشبیہ دی جائے تو بھی یہی صورت ہو گی۔

(۳) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں سے ایک مفردِ مقید ہو اور دوسرا مفرد غیر مقید۔

(ا) مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مفرد مقید۔ میر حسن دہلوی ؎

غرض وہ مرالی جب دکھا اپنے بال
لو گویا کہ مارا محبت کا جال

بال مشبہ مفرد۔ محبت کا جال مشبہ بہ مفرد مقید ہے۔

(ب) مشبہ مفرد مقید ہو اور مشبہ بہ مفرد غیر مقید۔ دیا شنکر نسیم لکھنوی ؎

بدلی سی چھپی وہ ماہِ روشن
بجلی ساعیاں ہوا وہ پُر فن

ماہِ روشن مشبہ مفرد مقید۔ بدلی مشبہ بہ مفرد غیر مقید۔

(۴) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب (بہ منزلۂ واحد) ہوں۔ سودا ؎

ہر گُلِ رنگِ حنا پہ یوں عرقؔ دے ہے بہار
لالہ زار اوپر ہر شبنم جس طرح گوہر فشاں

یہ شعر گھوڑے کی تعریف میں ہے گُل سے مراد مہندی کے نشانات ہیں جو

گھوڑے کے بدن پر بنا دیے جلتے ہیں لہٰذا گلِ رنگِ حنا مع عرق مشبہ مرکب اور شبنم مع لالہ زار مشبہ بہ مرکب ہے۔

(۵) مشبہ و مشبہ بہ میں سے ایک مفرد ہو اور دوسرا مرکب :-

(ا) مشبہ مفرد اور مشبہ بہ مرکب۔ صہبائیؔ ؎

نہ کر ساقی مجھے مائل کہ مینا میری نظروں میں
لگے ہے مثلِ خاکستر کہ اس میں آگ پنہاں ہو

مینا مشبہ مفرد ۔ خاکستر کہ اس میں آگ پنہاں ہے مشبہ بہ مرکب ہے۔

(ب) مشبہ مرکب اور مشبہ بہ مفرد ہو۔ سوداؔ ؎

چوٹیوں پر جو نہالوں کی ہجومِ گل ہے
دور سے یوں نظر آتے ہیں وہ جیسے مشعل

نہالوں بہ (پودوں) کی چوٹیوں پر ہجوم گل مشبہ مرکب مشعل مشبہ بہ مفرد

(۶) مشبہ اور مشبہ بہ دونوں متعدد ہوں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں :-

(ا) تشبیہ ملفوف۔ پہلے کئی مشبہ ہوں اور پھر کئی مشبہ بہ۔ شاہ نصیر دہلوی۔

نہا کے افشاں چنو جبیں پر۔ نچوڑو زلفوں کو بعد اس کے
دکھاؤ عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

پہلے مصرع میں کئی مشبہ ہیں اور دوسرے مصرع میں کئی مشبہ بہ ہیں۔

(ب) تشبیہ مفروق[۱]۔ پہلے ایک مشبہ اور ایک مشبہ بہ اور اسی طرح پھر ایک مشبہ اور ایک مشبہ بہ ہو۔ اور ترتیب وار اسی طرح مشبہ و مشبہ بہ لائے جائیں صہبائیؔ۔ ؎

زلف سنبل، رخ ہے گل اور چشم بادامِ سیاہ
قد ہے سروِ بوستان و۔ لب ہے یاقوتِ یمن

---

[۱] علاحدہ علاحدہ

زلف مشبہ - سنبل مشبہ بہ - رخ مشبہ - گل مشبہ بہ
چشم ″ بادام سیاہ ″ قد ″ سرو بوستاں ″
لب ″ یاقوت یمن ″ ہے اور سب ترتیب وار ہیں

(۷) مشبہ و مشبہ بہ میں ایک واحد ہو اور دوسرا متعدد - اس کی بھی دو قسمیں ہیں -

(الف) تشبیہ جمع | مشبہ واحد ہو اور مشبہ بہ متعدد -
سودا ؔ

سمور و قاقم و سنجاب ہے سرمایہ منعم کو
رکھے ہیں آسرا مسکین دکنج و لنگ آتش کا

آتش مشبہ واحد - سمور و قاقم و سنجاب مشبہ بہ متعدد -

(ب) تشبیہ تسویہ[1] | مشبہ متعدد ہو اور مشبہ بہ واحد -
حسرت موہانی ؔ

بدن کو جان کو دل کو جگر کو آگ لگی
غمِ فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی

بدن - جان - دل - جگر - مشبہ متعدد - مگر مشبہ بہ واحد ہے -

(۲) وجہِ شبہ

(وجہ شبہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں)

(۱) تشبیہ تمثیل یا مرکب | وہ تشبیہ ہے - جس میں وجہ شبہ مرکب ہو یا کئی چیزوں سے حاصل کی گئی ہو سودا ؔ

---

[1] برابر کرنا - سیدھا کرنا -

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھا ہے سرکش
کہ نیک و بد نے کیا نقشِ پا کو راہ نما

فتادگی مشبہ ۔ نقشِ پا مشبہ بہ ۔ عزت اور راہ نمائی وغیرہ وجہ شبہ مرکب ۔

(۲) تشبیہِ غیر تمثیل | وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ مرکب نہ ہو بلکہ واحد یا متعدد ہو :-

(الف) وجہ شبہ واحد ہو ۔ نسیم لکھنوی ؎

دکھلاتا تھا وہ مکانِ جادو
محراب سے در سے چشم و ابرو

محراب مشبہ ۔ ابرو مشبہ بہ ۔ نصف دائرہ کی خمیدگی وجہ شبہ واحد

(ب) وجہ شبہ متعدد ہو ۔ سوداؔ ؎

بسانِ دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلی جو کام سے میرے پڑی ہزار گرہ

کام کے پہلے آسان ہونے اور پھر مشکل ہونے کی دونوں حالتوں کو اُگنے والے دانے کی دونوں حالتوں سے تشبیہ دی ہے اور کام کا آسان ہو کر مشکل و دشوار ہو جانا وجہ شبہ متعدد ہے اور آسانی و دشواری دونوں علاحدہ علاحدہ ہیں ۔

(۳) تشبیہِ مجمل[1] | وہ تشبیہ ہے جس میں وجہ شبہ ظاہر نہ کی جائے (مذکور نہ ہو) اس کی چھ قسمیں ہیں :-

(۱) وجہ شبہ ظاہر نہ کی جائے لیکن آسانی سے سمجھ میں آجائے ۔ جراتؔ ؎

گل سماتے نہیں جامے میں خوشی کے مارے
جب سے دیکھا ہے ترے پھول سے رخساروں کو

---

[1] اختصار کیا گیا ہو

رخسار کو پھول سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ شبہ رنگ اور نرمی ہے جو بہ آسانی
سمجھ میں آجاتی ہے۔
(ب) وجہ شبہ ظاہر نہ کی جائے اور آسانی سے سمجھ میں بھی نہ آئے۔ بلکہ خواص
ہی سمجھ سکیں۔ ذوق ؎

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا
مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا

موجِ صبا کو تندرست آدمی کی نبض سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ ایسی
ہے کہ جس کو اطبائے خاص کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ صاحبِ صحت کی نبض
طول میں چار انگل ہوتی ہے۔ اور انگلیوں کو زیادہ چلتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی
بلکہ حرکت معتدل اور ایک ہی قسم کی معلوم ہوتی ہے۔
(ج) مشبہ یا مشبہ بہ میں سے کسی کا وصف بیان نہ کیا جائے یعنی کوئی ایسی چیز نہ ہو
جس سے وجہ شبہ ظاہر ہو۔ صبؔا ؎

ہلالِ ابروئے قاتل نے معرکہ مارا
نیام شب میں نہاں تیغِ آفتاب ہوئی

ابرو کو ہلال سے اور شب کو نیام سے اور آفتاب کو تیغ سے تشبیہ دی ہے
اور کسی کے ساتھ کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے وجہ شبہ ظاہر ہو۔
(د) صرف مشبہ کے ساتھ اس کی صفت لائی جائے۔ تمؔی ؎

دل یہ کہتا ہے بدخشاں میں شفق پھولی ہے
سرخ جب ہونٹ ترے پان سے ہم دیکھتے ہیں

ہونٹ مشبہ۔ سرخی اور پان مشبہ کے وصف ہیں جس سے وجہ شبہ سمجھ میں خوب
آجاتی ہے کہ سرخی وجہ شبہ ہے اور شفق مشبہ بہ ہے۔

(۲) صرف مشبہ کے ساتھ اس کی صفت لائی جائے۔ قلق ؎

چمکی جو اس کی برقِ تبسم تو شرم سے
بجلی نے موںھ پہ لے لیا دامن سحاب کا

تبسم مشبہ۔ برق مشبہ بہ اور چمکنا مشبہ بہ کے مناسبات میں سے ہے جس سے ظاہر ہے کہ ہنسی میں جو دانتوں کی سفیدی اور چمک ظاہر ہوئی اس سے بجلی شرمائی ہے اور یہی وجہ شبہ ہے۔

(۳) مشبہ کی صفت بھی لائی جائے اور مشبہ بہ کی بھی۔ ذوقؔ ؎

سچ کہا ہے آگے کالے کے نہیں جلتا چراغ
چھپ گیا مہ۔ رخ پہ تیرے زلفِ شبگوں دیکھکر

شبگوں (سیاہی) زلف (مشبہ) کے مناسبات میں سے ہے کالے سے مراد کالا سانپ ہے اور زلف میں اور سانپ میں وجہ شبہ ہے۔

(۴) **تشبیہِ مفصل**[1] وہ تشبیہ ہے کہ جس میں وجہ شبہ یا اس کے متعلقات ہوں۔ میر حسنؔ دہلوی ؎

وہ پیٹھ اس کی شفاف آئینہ ساں
نس اوپر وہ چوٹی کا پڑنا وہاں

پیٹھ مشبہ۔ آئینہ مشبہ بہ۔ شفاف وجہ شبہ۔ ساں حرفِ تشبیہ ہے۔ اور وجہ شبہ موجود ہے۔

(۵) **تشبیہِ قریبِ مبتذل**[2] وہ تشبیہ ہے کہ جس کی وجہ شبہ آسانی سے سمجھ میں آجائے اور بہت مستعمل ہو۔ اس کی

---

[1] کھول کر بیان کیا ہوا۔ [2] فرسودہ۔ ذلیل عام اور مستعمل

کئی صورتیں ہیں :-

(ا) وجہ شبہ واحد ہو۔ ناسخ ؎

ہو مبارک اسے دنیا میں سعادت مندی
زلف پیچیدہ جو ہے بالِ ہما ہو جائے

زلف مشبہ ۔ بالِ ہما مشبہ بہ ۔ مبارک ہونا وجہ شبہ واحد ہے جو بہ آسانی سمجھ میں آجاتی ہے ۔

(ب) مشبہ کا مشبہ بہ سے قریبی تعلق ہو۔ ؎

زلفیں سنبل ہیں تو ہیں نرگس شہلا آنکھیں
جس نے دیکھا ترے مکھڑے کو وہ گلشن سمجھا

زلفیں مشبہ ۔ سنبل مشبہ بہ ۔ آنکھیں مشبہ ۔ نرگس شہلا مشبہ بہ ۔ مکھڑا مشبہ ۔ گلشن مشبہ بہ اور ظاہر ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں قریبی تعلق ہے ۔

(ج) مشبہ بہ اکثر ذہن میں آتا رہتا ہو۔ یادگار ؎

چشم بد دور عجب طرح کا جوبن نکلا
مثلِ خورشیدِ درخشاں رخِ روشن نکلا

رخِ روشن مشبہ ۔ خورشیدِ درخشاں مشبہ بہ اور رُخ کی تشبیہ خورشید سے اکثر ذہن میں آتی رہتی ہے ۔

(۶) **تشبیہِ بعید غریب**[1] وہ تشبیہ ہے کہ جس کی وجہ شبہ غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے ۔ اس کی بھی کئی صورتیں ہیں :-

(الف) وجہ شبہ متعدد ہوں ۔ جرأت ؎

---

[1] نادر ۔ انوکھی

تشبیہ رگِ گل سے انھیں دوں تو ہے زیبا
ڈورے ہیں تری آنکھ کے اے رشکِ چمن سرخ

آنکھ کے ڈوروں کو رگِ گل سے تشبیہ دینے میں ایک تو سرخی وجہ شبہ ہے اور دوسرے باریکی گویا کہ وجہ شبہ متعدد ہیں۔

(ب) وجہ شبہ مرکب ہو۔ سوداؔ ؎

یوں جلوہ گر ہو سرو کا سایہ کہ جس طرح
کوئی سیاہ مست پڑا ہو کنارِ جو

سرو کے سائے کی سیاہی۔ سرمستی اور دریا کا کنارہ یہ سب چیزیں مل کر وجہ شبہ مرکب بنی ہیں۔

(ج) مشبہ کو مشبہ بہ سے دور کا تعلق ہو۔ خواجہ وزیرؔ ؎

جا کے دل بھول گیا راہ نہ آیا پھر کر
کوچۂ زلف ہے یا بھول بھلیاں سر پر

سر کے بالوں کو بھول بھلیاں سے قریبی تعلق نہیں۔ اس لیے وجہ شبہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔

(د) مشبہ بہ نادر ہو اور اتفاقیہ یا کبھی کبھی ذہن میں آئے۔ امانتؔ ؎

جلوہ کاکل کا نہیں زلف پہ نظر آتا ہے
کان کی لو کا دھنواں ناز سے بل کھاتا ہے

کاکل مشبہ اور دھنواں مشبہ بہ ہے۔ پہلے کان کے نچلے نرم گوشت کو اس کے معروف نام سے منسوب کیا۔ پھر اس لفظ کے دوسرے معنی کی طرف ذہن منتقل ہوا اور اس کو آگ کی لو تصور کیا اور کاکل کو اس کا دھنواں بتایا۔ ظاہر ہے کہ ایسی پیچیدہ باتیں ذہن میں کم آتی ہیں۔

تصریحات خصوصی

(وجہ شبہ کی ندرت اور پیچیدگی کے اعتبار سے اقسام تشبیہ)

تشبیہ بلیغ (غریب وبعید) وجہ شبہ میں جس قدر ترکیب اور پیچیدگی ہوگی تشبیہ میں اسی قدر بُعد اور غرابت ہوگی اور جس قدر بُعد زیادہ ہوگا اور جس قدر غرابت زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی تشبیہ بلیغ اور پُرلطف ہوگی اور اسی میں سخن وری اور زبان دانی کا کمال ہے۔ اس کے برعکس تشبیہ غریب مبتذل اور قریب الفہم لطف سے خالی اور کمال کے منافی سمجھی جاتی ہے۔

تشبیہ قریب مُبتَذَل کو تشبیہ غریب بعید بنانا بعض اوقات تشبیہ قریب مبتذل کو اضافہ و ترمیم سے غریب بعید بنا لیا جاتا ہے۔ مثلاً کندھے پر پڑی ہوئی زلف کو دلِ خانہ بدوش کہا جائے۔ ذکی [1] ؎

شانوں پہ اس پری کے پریشاں جو زلف ہے
انداز اڑائے ہے دلِ خانہ بدوش کا

زلفِ پریشاں کو دلِ خانہ بدوش کی تشبیہ نے بلیغ (غریب بعید) بنا دیا ہے۔ یا اسی طرح۔ ممنون ؎

مصحفِ رخسار پر رکھتی قدم ہے بار بار
زلفِ کافر کو عبث سر پہ چڑھایا آپ نے

مصحف (کتاب یا قرآن پاک) کے ساتھ رخسار کی تشبیہ مبتذل اور عام ہے لیکن لفظ کافر کی جدت نے اسے نادر اور بلیغ (غریب و بعید) بنا دیا ہے۔

---

[1] جوانی کو پہنچی ہوئی۔ حسبِ حال گفتگو کرنے والا۔

تشبیہِ مشروط[1] وہ قریب یا مبتذل تشبیہ جو کسی شرط یا قید کے اضافے سے غریب بعید بنائی جائے اسے تشبیہ مشروط کہتے ہیں۔ انیسؔ

رخسار کو قمر جو کہوں اس میں داغ ہے
خورشید ہے تو کیا ہے وہ دن کا چراغ ہے

رخسار کو قمر سے تشبیہ دینا عام ہے مگر داغ کے استثنا نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اسی طرح اس شعر میں ہے۔ ؎

لب کو تیرے عقیق کب کہتے گر آبِ حیات اس میں ہوتا

(۳) حروفِ تشبیہ

(حروفِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں)

(۱) تشبیہِ مُرسل[2] وہ تشبیہ ہے جس میں حرفِ تشبیہ موجود ہو۔ اخلاقؔ دہلوی۔ ؎

چاندنی چِٹکی ہوئی ہے جلوہ افگن نور ہے
تختۂ گل ہو بہو جنت نگاہِ طور ہے

اس شعر میں ہو بہو حرفِ تشبیہ موجود ہے۔

(۲) تشبیہِ مؤکد[3] وہ تشبیہ ہے۔ جس میں حرفِ تشبیہ موجود نہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں :

(الف) صرف حرفِ تشبیہ محذوف ہو۔ عاشقؔ ؎

روشن سوادِ زلفِ سیہ فام ہو گیا
دُر کان کا چراغِ سرِ شام ہو گیا

---

[1] شرط والی۔ [2] پہنچی ہوئی۔ [3] تاکید کیا ہوا۔ استوار۔ مضبوط

دُر (موتی) کو چراغِ سرِ شام سے تشبیہ دی ہے۔ اور حرفِ تشبیہ محذوف ہے

(ب) حرفِ تشبیہ کو محذوف کرکے مشبہ بہ کو مشبہ کا مضاف کیا جائے۔ اخلاق تبتی دہلوی

ع گلِ رخسار بھی تابندہ نظر آتا ہے

گُل مشبہ بہ مضاف۔ رخسار مشبہ مضاف الیہ۔

(۴) غرضِ تشبیہ

(غرضِ تشبیہ کے اعتبار سے تشبیہ کی قسمیں)

(۱) تشبیہِ مقبول — وہ تشبیہ ہے جس سے تشبیہ کی غرض و غایت اچھی طرح ظاہر ہو یا مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشہور و کامل ہو۔

(۲) تشبیہِ مردود — وہ تشبیہ ہے جس سے تشبیہ کی غرض و غایت اچھی ظاہر نہ ہو۔

(۵) تشبیہ کا عمومی احوال

(آٹھ صورتیں)

تشبیہ میں ان آٹھ صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ضرور ہوتی ہے۔

اور وہ آٹھ صورتیں یہ ہیں:۔

(۱) طرفینِ تشبیہ (مشبہ و مشبہ بہ) وجہ شبہ اور حرفِ تشبیہ تینوں چیزیں موجود ہوں۔ یادگار سے

چشم بد دور عجب طرح کا جوبن نکلا

مثلِ خورشیدِ درخشاں رخِ روشن نکلا

رخِ روشن مشبہ۔ خورشیدِ درخشاں مشبہ بہ۔ مثل حرفِ تشبیہ۔ درخشاں اور روشن ہونا وجہ شبہ۔ تینوں چیزیں موجود ہیں۔ اسے تشبیہِ مطلق کہتے ہیں۔

(۲) صرف حرفِ تشبیہ محذوف ہو۔ ذوق ؎

عقل میں شمس ہے تو۔ علم میں کانِ گوہر
فضل میں کعبہ ہے تو حلم میں کوہِ رحمت

عقل مشبہ۔ شمس مشبہ بہ یعنی عقل میں شمس جیسا ہے اور جیسا حرفِ تشبیہ محذوف ہے

(۳) صرف وجہ شبہ محذوف ہو۔ جرأت ؎

گل سماتے نہیں جامے میں خوشی کے مارے
جب سے دیکھا ہے ترے پھول سے رخساروں کو

وجہ شبہ رنگت اور ملائم ہونا محذوف ہے۔

(۴) سوال کے جواب میں صرف مشبہ کو محذوف کیا جائے مثلاً پوچھا جائے کہ زید کون ہے؟ جواب میں کہا جائے کہ "بہادری میں شیر جیسا ہے" اس میں شیر مشبہ بہ جیسا حرفِ تشبیہ۔ بہادری وجہ شبہ اور زید یعنی مشبہ محذوف ہے پورا جملہ یوں ہے :۔

زید بہادری میں شیر جیسا ہے
مشبہ وجہ شبہ مجرور جار مشبہ بہ حرفِ تشبیہ فعل ناقص

(۵) وجہ شبہ اور حرفِ تشبیہ دونوں محذوف ہوں۔ مشتاق ؎

نرگس ہے چشم۔ سرو ہے قد۔ گل عذار ہے نامِ خدا وہ شوخ سراپا بہار ہے

مشبہ بہ	مشبہ	حرفِ تشبیہ	وجہ شبہ
موجود		محذوف	
نرگس	چشم	جیسی	آنکھ کا بڑا اور خوبصورت ہونا
سرو	قد	جیسا	لمبائی
گل	رخسار	جیسا	رنگ

(۶) سوال کے جواب میں مشبہ اور حرفِ تشبیہ دونوں محذوف ہوں۔ مثلاً پوچھا جائے

کہ زید کون ہے"؟ جواب میں کہا جائے کہ "حسن میں چاند ہے" چاند مشبہ بہ۔ حسن وجہ شبہ۔ مشبہ زید محذوف ہے۔ اور حرفِ تشبیہ جیسا محذوف ہے۔ پورا جملہ یہ ہے۔

"زید حسن میں چاند جیسا ہے"

(۷) سوال کے جواب میں مشبہ اور وجہ شبہ محذوف ہوں۔ مثلاً پوچھا جائے کہ زید کیسا ہے؟ جواب میں کہا جائے "شیر جیسا ہے" پورا جملہ یہ ہے :۔

"زید بہادری میں شیر جیسا ہے"

شیر مشبہ بہ موجود۔ جیسا حرفِ تشبیہ موجود۔ زید مشبہ محذوف۔ بہادری وجہ شبہ محذوف

(۸) سوال کے جواب میں حرفِ تشبیہ، مشبہ اور وجہ شبہ محذوف ہوں مثلاً پوچھا جائے کہ "زید کون ہے" جواب میں کہا جائے کہ "شیر ہے"

شیر مشبہ بہ موجود۔ اور سب محذوف ہیں۔ پورا جملہ یہ ہے۔

"زید بہادری میں شیر جیسا ہے"

زید مشبہ محذوف۔ بہادری وجہ شبہ محذوف۔ جیسا حرفِ تشبیہ محذوف شیر مشبہ بہ موجود ہے

تشبیہ کی خوبی

جس تشبیہ میں حرفِ تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہوں وہ بہت قوی اور اچھی تشبیہ سمجھی جاتی ہے۔

ہدایت (۱)

(ا) نمبر ۸ - ۵ تشبیہ کی سب سے اچھی قسمیں ہیں۔

(ب) نمبر ا - ۴ تشبیہ کی زیادہ ضعیف اور ناقص قسمیں ہیں

(ج) نمبر ۲ - ۳ - ۶ - ۷ تشبیہ کی درمیانی اور متوسط قسمیں ہیں

(۲، ا) اردو میں پہلے مشبہ بہ پھر حرف تشبیہ اور پھر مشبہ کا مقام ہے۔ البتہ نظم میں مشبہ پہلے بھی آسکتا ہے۔

(ب) فارسی ترکیب اضافی میں مشبہ بہ مضاف اور مشبہ مضاف الیہ ہوتا ہے۔

(علمِ بیان کا دوسرا مقصد)

استعارہ

(مانگ لینا)

استعارے کی تعریف لفظ کو مجازی معنیٰ میں اس خوبی سے استعمال کرنا کہ اصلی (وضعی) اور مجازی معنیٰ میں تشبیہ کا تعلق ہو مثلاً بہادر آدمی کو شیر کہنا

ارکانِ استعارہ

استعارے کے بیان میں مشبہ کے معنیٰ کو مستعار لہٗ کہتے ہیں۔
" " " مشبہ بہ کے معنیٰ کو مستعار منہ "
" " " وجہ شبہ کو وجہ جامع کہتے ہیں اور جس لفظ کو اصل معنیٰ کی بجائے کسی دوسرے معنیٰ میں استعمال کیا جائے اُسے مستعار کہتے ہیں۔

استعارے کی مخصوص قسمیں

استعارے میں لفظ کو اصلی معنیٰ سے مانگ کر مجازی معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے اور عموماً مشبہ بہ کو مشبہ کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں البتہ کبھی کبھی

مشبّہ کو مشبّہ بہ کے معنیٰ میں استعمال کرلیا جاتا ہے لہٰذا اس اعتبار سے استعارے کی دو مخصوص قسمیں ہیں :۔

(۱) استعارہ بالتصریح[1] وہ استعارہ ہے جس میں مشبّہ مذکور نہ ہو اور مشبّہ بہ کو مشبّہ کے معنیٰ میں یا مشبّہ کی جگہ استعمال کیا جائے۔ صہبائیؔ۔ ؎

صنم بتا تو خدائی میں تجھ کو کیا نہ ہوا
ہزار حیف کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

صنم کے اصل معنیٰ ہیں بت یا پتھر کی مورتی لیکن اس شعر میں اسے محبوب کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے یعنی صنم جیسا محبوب، صنم مستعار منہ اور محبوب مستعار لہٗ ہے۔ گویا کہ لفظ صنم کو اس کے اصل معنیٰ (بت یا مورتی) سے مانگ کر لفظ محبوب کی جگہ استعمال کیا ہے۔ لہٰذا محبوب۔ (مشبّہ) مستعار لہٗ، بت (مشبّہ بہ) مستعار منہ اور لفظ صنم مستعار ہے۔

استعارہ بالتصریح کی قسمیں

(استعارہ بالتصریح کی دو قسمیں ہیں)

(۱) اِستعارہ تحقیقیہ وہ استعارہ ہے جس میں مشبّہ مذکور نہ ہو لیکن حسّی یا عقلی اعتبار سے پایا جاتا ہو۔

(۲) اِستعارہ تخییلیہ وہ استعارہ ہے جس میں مشبّہ حسّی یا عقلی اعتبار سے پایا نہ جائے۔ بلکہ وہمی اعتبار سے پایا جاتا ہو۔

استعارہ بالکنایہ[2] وہ استعارہ ہے جس میں مشبّہ کو مشبّہ بہ کے معنیٰ میں یا مشبّہ کو مشبّہ بہ کی جگہ استعمال کیا جائے۔ ایسی

---

[1] صراحت یا وضاحت

صورت میں جو چیزیں مشبہ بہ سے خصوصیت رکھتی ہیں۔ انھیں مشبہ کے ساتھ مخصوص کر لیا جاتا ہے۔ صہبائی ؎

جو سوئے جیب ہیں ہم سرنگوں سبب یہ ہے
کہ دل کے زخم کو مژگاں سے ہیں رفو کرتے

مژگاں (پلکوں) میں رفو کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور مژگاں کو سوئی سے تشبیہ دی ہے لہٰذا مژگاں مشبہ ہے اور سوئی مشبہ بہ ہے اور اس شعر میں مشبہ کو مشبہ بہ کی جگہ یا اس کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے اور رفو سوئی کے مناسبات میں سے ہے جسے مشبہ (مژگان) سے مخصوص کر دیا ہے۔ کنایہ کے معنیٰ ہیں چھپا کر بیان کرنا اور یہاں مشبہ بہ کو ترک کرنے سے استعارہ صاف صاف نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیئے ایسے استعارے کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ اور مشبہ بہ کی ان مناسبات کو جنھیں استعارہ بالکنایہ میں مشبہ سے مخصوص کیا جاتا ہے۔ استعارہ تخئیلیہ[1] کہتے ہیں۔

استعارہ اور کذب میں فرق کذب اور استعارہ میں یہ فرق ہے کہ استعارہ میں مشبہ بہ کو مشبہ کی جنس سے قرار دیا جاتا ہے اور مشہور معنیٰ مراد نہ ہونے پر قرینہ قائم کیا جاتا ہے۔ مگر کذب میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہوتیں

اقسامِ استعارہ

تشبیہ کی طرح استعارہ کو بھی مختلف اعتبار سے کئی عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاتا ہے جو ترتیب وار درجِ ذیل ہیں:۔

---

[1] خیالی۔

استعارہ بالتصریح

۱۔ طرفینِ استعارہ یعنی مستعار منہ اور مستعار لہٗ کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں
۲۔ وجہ جامع کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں اور استعارہ تمثیل ۔
۳۔ ارکانِ ثلاثہ (مستعار لہٗ، مستعار منہ اور وجہ جامع کے حسّی و عقلی ہونے کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں)۔
۴۔ لفظ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں ۔
۵۔ مناسباتِ طرفین (مستعار منہ اور مستعار لہٗ کی مناسبات کے اعتبار سے) استعارے کی قسمیں ۔

استعارہ بالکنایہ کی حالت

(۱) استعارہ بالکنایہ (۲) استعارہ تخئیلیہ (۳) استعارہ محتملۃ التحقیق والتخئیل

(۱) طرفینِ استعارہ

(مستعار منہ اور مستعار لہٗ کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں)

(۱) استعارہ وفاقیہ[لہ] وہ استعارہ ہے جس کے طرفین (مستعار منہ و مستعار لہٗ) ایک شے میں جمع ہو سکیں ۔ میر تقی میر ؎

اندھے ہیں جہاں کے لوگ سارے اے میرؔ
سوجھے نہ جسے اسے کہتے ہیں بصیر

اندھے سے مراد ہے جاہل ۔ اندھے لفظ مستعار ہے ۔ نابینا یعنی اندھے کے معنی مستعار منہ اور جہالت مستعار لہٗ ہے ۔ مستعار منہ اور مستعار لہٗ یعنی جہالت اور

لہ وفاق ۔ موافقت کرنا متحد ہونا

نابینائی دونوں چیزیں ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں۔ اس لیے کہ ایک شخص جاہل بھی ہو سکتا ہے اور نابینا بھی۔

(۲) استعارہ عنادیہ | وہ استعارہ ہے جس کے طرفین (مستعارمنہ و مستعارلہٗ) ایک شئے میں جمع نہ ہو سکیں۔ میر حسن دہلوی ؎

تم ہی کچھ ایسے نہ دنیا میں جفا کار ملے
جو ملے ہم کو سو ایسے ہی وفادار ملے

وفادار سے مراد بے وفا ہے۔ وفادار لفظ مستعار۔ وفادار کے معنی مستعارمنہ بے وفا مستعارلہٗ جس کے لیے وفادار استعمال کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وفاداری اور بے وفائی دونوں چیزیں کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں لہٰذا یہ استعارہ عنادیہ ہے عناد کے معنی ہیں دشمنی اور مخالفت۔

محلِ استعمال | یہ استعارہ عموماً استہزا اور مذاق کے مواقع پر استعمال ہوتا ہے جیسے بخیل کو مذاق سے حاتم کہیں یا بزدل کو رستم۔

(۲) وجہ جامع

(وجہ جامع کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں)

(۱) استعارہ داخلیہ جزویہ | وہ استعارہ ہے جس کی وجہ جامع مستعارمنہ اور مستعارلہٗ کے مفہوم میں داخل اور ان کے معنی کا جزو ہو۔ میر تقی میر ؎

طفلِ مطرب جو میرے ہاتھ آتا چٹکیوں میں رقیب اڑ جاتا

اڑنے کا استعارہ نکل جانے کے لیے ہے۔ وجہ جامع قطعِ مسافت ہے جو اڑنے اور نکل جانے کے مفہوم میں داخل ہے کیونکہ نکل جانے اور اڑ جانے سے مسافت

طے ہوتی ہے۔ البتہ یہاں مستعار منہ سے وجہ جامع کا زیادہ تعلق ہے اور مستعار لہٗ سے کم اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کسی سے تعلق کم ہو اور کسی سے زیادہ۔

(۲) استعارہ خارجیہ | وہ استعارہ ہے جس کی وجہ جامع؛ مستعار منہٗ اور مستعار لہٗ کے مفہوم میں داخل نہ ہو۔ غلام امام شہید ؎

جب چلا چاند مدینے کا سوئے ربِ جلیل
بجھ گئی مہرِ درخشاں کی فلک پر قندیل

اس شعر میں پیغمبر اسلام صلعم کا استعارہ چاند سے ہے اور وجہ جامع دونوں میں کمال خوبصورتی ہے۔ لیکن نہ تو یہ دونوں کا جزو ہے اور نہ مفہوم ہی میں داخل ہے بلکہ صرف ان سے متعلق ہے۔

(۳) استعارہ عامیہ یا مبتذلہ[۱] | وہ استعارہ ہے جس کی وجہ جامع آسانی سے سمجھ میں آجائے۔ بہادر شاہ ظفر ؎

سن کے نالوں کو مرے ہو گئے پتھر پانی
سرِ مژگاں بھی ترا نم نہ ہوا پر نہ ہوا

پتھر استعارہ ہے سخت اور بے رحم ہونے سے اور پانی استعارہ ہے ترس کھانے اور رحم دل ہونے سے اور ان دونوں کی وجہ جامع آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

(۴) استعارہ غریبہ[۲] | وہ استعارہ ہے جس کی وجہ جامع بہت غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے اور خواص کے سوا عوام نہ سمجھیں۔

ذوق ؎ جس کی آواز سے ہوں رونگٹے سوہاں کے کھڑے
وہ محبت نے دیا سلسلہٗ پا ہم کو

سوہان کے دندانے جو ابھرے ہوئے ہوتے ہیں انھیں رونگٹے کھڑے ہونے سے استعارہ کیا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہونے کے وقت ان کی جڑ کے پاس کی کھال جو

[۱] ذلیل۔ مستعمل [۲] نادر۔ انوکھا۔

تھوڑی تھوڑی ابھر آتی ہے اسے وجہ جامع قرار دیا ہے اور یہ وجہ جامع غور و فکر اور تجربے یا مشاہدے سے حاصل ہوتی ہے۔

استعارۂ تمثیل

استعارۂ تمثیل کو مطلق تمثیل۔ تمثیل بر سبیلِ استعارہ اور مجازِ مرکب بھی کہتے ہیں۔

استعارۂ تمثیل وہ استعارہ ہے جس کی وجہ جامع کئی ہوں۔ میر ؎

تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا

تلوار کے گلے پر رکھنے کو گلے ملنے سے استعارہ کیا ہے۔ مخالفت اور دشمنی اور لاگ اور موافقت اور گلے ملنا اور حصول مدعا کئی وجہ جامع ہیں۔

اِس استعارے کا مدعا دراصل رد و قبول اور فکر و تردد کی مجموعی ہیئت کی ترجمانی ہے۔ مثلاً رد و قبول اور شک و تردد کی حالت کو پس و پیش سے تعبیر کیا جائے۔ ذوق ؎

پی بھی جا ذوقؔ نہ کر پیش و پسِ جامِ شراب
لب پہ توبہ۔ ترے دل میں ہوسِ جامِ شراب

نیز امثلۂ ذیل بھی اسی قبیل سے ہیں :۔

(۱) انگلی پکڑتے پہنچا پکڑنا	پہلے آسان کام کرنا جب وہ ہوئے تو پھر اس سے مشکل کام کی طرف اقدام کرنا
(۲) کھچڑی کھاتے پہنچا اترنا	تھوڑے سے بوجھ اٹھانے سے ضعف کا نمایاں ہونے لگنا۔

(۳) چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا۔ چلتے چلاتے کام میں رکاوٹ ڈالنا۔
(۴) چھاتی پر مونگ دلنا۔ تکلیف پہنچانا
(۵) وار چلنا۔ ارادہ پورا ہونا
(۶) چراغ گل ہونا۔ اقبال مندی کا جاتا رہنا۔ نام کا مٹنا۔

(۳) ارکانِ ثلاثہ

حسّی و عقلی

(مستعار منہ۔ مستعار لہٗ اور وجہ جامع کے حسّی اور عقلی ہونے کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں)

ارکانِ ثلاثہ کے حسّی و عقلی ہونے کے اعتبار سے استعارے کی چھ قسمیں ہیں جو مندرجہ نقشے[1] سے واضح ہیں۔

نیز مستعار منہ اور مستعار لہٗ جب دونوں حسّی ہوں گے تو وجہ جامع کبھی حسّی ہو گی اور کبھی عقلی اور کبھی مرکب و مختلف یعنی بعض عقلی اور بعض حسّی جب مستعار منہ اور مستعار لہٗ عقلی ہوں گے تو وجہ جامع عقلی ہو گی۔ اور جب مستعار منہ اور مستعار لہٗ میں سے ایک حسی اور عقلی ہو تو بھی وجہ جامع عقلی ہو گی۔

---

[1] نقشہ صفحہ ۶۵ پر مندرج ہے۔

حسّی اور عقلی طرفین استعارہ اور وجہ جامع کے اعتبار سے اقسام استعارہ کا نقشہ

نمبر شمار	اقسام	طرفین استعارہ		وجہ جامع	امثلہ
		مستعار منہ	مستعار لہ		
۱	پہلی قسم	گل قہقہہ حسّی	رخسار صراحی کی آواز حسّی	رنگ آواز کا سنائی دینا حسّی	گل بہ معنی رخسار۔ ظفرؔ ؎ صراحی قہقہہ بھرتی ہے مینا مسکراتا ہے ہمارا یار جس دم جانب میخانہ آتا ہے
۲	دوسری قسم	شیر آبِ حیات حسّی	بہادر محبوب حسّی	شجاعت کا پایا جانا مطلوب ہونا عقلی	شیر بہ معنی بہادر آدمی۔ راسخ ؎ اس آبِ حیات سے جدا ہوں مچھلی کی طرح تڑپ رہا ہوں
۳	تیسری قسم	ہاتھ اٹھانا ناخنِ گرہ کشا حسّی	چھوڑنا رافعت عقلی	سکون تشویش عقلی	اس نے تلاش سے ہاتھ اٹھایا یعنی چھوڑ دیا درماندگی میں غالبؔ کچھ بن پڑے تو جانوں جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
۴	چوتھی قسم	قیامت باز نہ آنا عقلی	قد نہ چھوڑنا حسّی	فتنہ خیزی حرکت عقلی	قیامت بہ معنی قد۔ میرؔ ؎ پھر جائے ہے غیر اس سے ملنے آتے نہیں باز ایسے تیسے
۵	پانچویں قسم	موت سلا رکھنا عقلی	نیند فنا کرنا عقلی	غفلت افعال کا ظاہر ہونا عقلی	موت بہ معنی نیند۔ میرؔ ؎ کیا کہیے کہ خوباں نے اب ہم میں ہے کیا رکھا ان چشم سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا
۶	چھٹی قسم	آفتاب آفتاب حسّی	جلیل القدر شخص محبوب حسّی	حسن و بزرگی مرکب یعنی بعض حسّی بعض عقلی	آفتاب بہ معنی جلیل القدر شخص۔ رلیجا ؎ مدام اپنی بغل میں وہ آفتاب رہا ہمارے دور میں دورِ شراب رہا

(۴) لفظِ مستعار

(لفظِ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں)

(۱) استعارۂ اصلیہ وہ اِستعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار اسمِ جنس ہو۔ اسمِ جنس وہ اِسم ہے جو ایک قسم کی بہت سی چیزوں کے لیے بولا جائے مثلاً پھول یا گیہوں وغیرہ کہ اگر ایک ہو تو بھی پھول یا گیہوں کہتے ہیں اور اگر بہت سے ہوں تو بھی یہی کہتے ہیں۔ مذاقؔ ؎

میں اس گل کو پیغام کہتا ہزار دل

ہوا ہو گئی بر صبا کہتے کہتے

محبوب کو گل سے استعارہ کیا ہے اور گل اسمِ جنس ہے اس لیے یہ استعارۂ اصلیہ ہے۔

کبھی اسمِ علم کو بھی اسمِ جنس میں شامل کر لیتے ہیں۔ خواجہ حالیؔ ؎

وہ جو کچھ کہ ہیں کہہ سکے کون ان کو

بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو

فرعون اسمِ علم ہے جو مستعار ہے اور یہاں بطورِ اسمِ جنس مغرور و متکبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اسمِ علم کو اسی طرح اسمِ جنس کی حیثیت میں استعمال کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۲) استعارۂ تبعیہ[۱] وہ استعارہ ہے جس میں لفظِ مستعار فعل ہو یا شبہ فعل ہو یا حرف ہو۔

۱ے تابع۔ فرمانبردار

فعل ماضی کی مثال۔ امانت لکھنوی۔

رنگ میں بو میں نزاکت میں جو یکتا پایا
اس گلِ تازہ سے دل میں نے غرض اٹکایا

دل اٹکانے اور محبت کرنے میں استعارہ ہے اور اٹکایا فعل ماضی ہے جو مستعار ہے فعل حال کی مثال میر تقی میر

گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے
چشم بے اختیار روتی ہے

ٹپکنے اور رونے میں استعارہ ہے اور روتی ہے فعل حال ہے۔ جو مستعار ہے فعل امر کی مثال۔ مرزا محمد رفیع سودا

سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
اب آئی سحر ہونے کو ظالم کہیں مر بھی

سونے کو مرنے سے استعارہ کیا ہے اور مر فعل امر ہے۔ جو مستعار ہے۔

مشبہ فعل۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول اسم تفضیل اور صفتِ مشبہ کو مشبہ فعل کہتے ہیں۔ اسم فاعل کی مثال امیر مینائی

چمن زارِ عالم کی خوبی پہ مت جا
گل اس کے ہر پتی پہ خندہ زناں ہے

خندہ زناں ہے۔ ہنسنے والا ہے۔ خندہ زناں اور کھلنے میں استعارہ ہے اور خندہ زناں اسم فاعل ہے۔ جو مستعار ہے۔

اسم مفعول کی مثال۔ آتش لکھنوی

رنگِ زرد و لبِ خشک و مژہ گریہ آلود   کشتۂ عشق ہیں ہم سے ہے یہ کفارہ اپنا

لہ مثل۔ مانند۔

کشتہ اور ستم رسیدہ میں استعارہ ہے اور کشتہ اسم مفعول ہے۔ جو مستعار ہے حرف کی مثال۔ صہبائیؔ۔

بات ہم سے تو نہ کرنی اور غیروں سے تپاک
ہم مگر اس بزم میں آئے تھے ذلت کے لیے

لیے اور غرض میں استعارہ ہے اور لیے حرف ہے۔ جو مستعار ہے۔

(۵) مناسباتِ طرفین

(مستعار منہ اور مستعار لہٗ کے مناسبات کے اعتبار سے استعارے کی قسمیں)

(۱) استعارۂ مطلقہ (آزاد) | وہ استعارہ جس میں مستعار منہ اور مستعار لہٗ میں سے کسی کے مناسبات نہ ہوں بلکہ صرف لفظِ مستعار ہو۔ خواجہ حالیؔ

دلِ احباب پر نہیں چلتا — سحر میرا کہ رہو غیر سے دور

نصیحت کو سحر سے استعارہ کیا ہے اور سحر و نصیحت میں سے کسی کے مناسبات نہیں ہیں۔

(۲) استعارۂ مجردہ (اکیلا) | وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار کے ساتھ صرف مستعار لہٗ کے مناسبات ہوں۔

مرزا محمد رفیع سوداؔ

گل نے شبنم سے الماس تو کھایا لیکن
ہاتھ میں غنچۂ لالہ کے ابھی افیون ہے

سیاہ داغ کو افیون سے استعارہ کیا ہے اور لالہ کا لفظ مستعار لہٗ (داغ کے) مناسبات میں سے ہے۔

(۳) استعارۂ مُرَشَّحہ (آراستہ) وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار کے ساتھ صرف مستعار منہ کے مناسبات ہوں۔ سوداؔ

دکھلائیے جاکر تو تجھے مصر کا بازار
پر واں کوئی خواہاں نہیں جنسِ گراں کا

جنس مستعار منہ ہے اور اس کے مناسبات گراں اور بازار موجود ہیں۔

(۴) استعارۂ مُوَشَّحہ (آراستہ) وہ استعارہ ہے جس میں مستعار منہ اور مستعار لہٗ دونوں کے مناسبات ہوں۔ سوداؔ

چمن میں آتے سن کر تجھ کو بادِ سحر یہ گھبرائی
ساغر جب تک لاویں ہم لاویں توڑ سبو کو جام کیا

سبو اور جام مستعار منہٗ ہیں۔ محبوب کی آمد اور ساغر اس کے مناسبات ہیں۔ غنچۂ و گل مستعار لہٗ ہیں۔ بادِ سحر اور چمن اس کے مناسبات ہیں۔

ترشیح (آراستہ) مستعار منہ کے مناسبات کے ہونے کو ترشیح کہتے ہیں۔
تجرید (تنہا) مستعار لہٗ کے 〃 〃 〃 تجرید 〃

تجرید کی بہ نسبت ترشیح میں بلاغت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ترشیح زیادہ بہتر سمجھی جاتی ہے۔

استعارہ بالکنایہ

استعارہ بالکنایہ وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ کو مشبہ بہ کے معنیٰ میں یا مشبہ بہ کی جگہ استعمال کیا جائے اور مشبہ بہ کو ترک کرکے اس کی خصوصیات کو مشبہ سے مخصوص کر دیا جائے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے ایک شے کو دل ہی دل میں دوسری شے سے تشبیہ دی جاتی ہے گویا کہ مشبہ کے لیے مشبہ بہ کی جگہ مانگ لی جاتی ہے اور اس کا اظہار نہیں ہوتا اور اس کے ظاہر نہ کرنے کو کنایہ کہتے ہیں لہٰذا یہ مخفی طور پر تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے۔ جلیل علی ؎

جو بل کھائے ہوئے گیسو طرف شانوں کے جاتے ہیں
یہ موذی کس کے ڈسنے کے لیے لہراتے آتے ہیں

اس شعر میں گیسو کو سانپ سے تشبیہ دی ہے گیسو مشبہ اور سانپ مشبہ بہ ہے جو مذکور نہیں البتہ اس کی خصوصیات ڈسنا اور لہرانا مذکور ہیں جن سے تشبیہ کا قرینہ پایا جاتا ہے۔

استعارۂ تخئیلیہ مشبہ بہ کی وہ خصوصیات جنھیں استعارہ بالکنایہ میں مشبہ بہ سے مانگ کر خیالی طور پر مشبہ سے متعلق کر لیا جاتا ہے ان ہی کو استعارہ تخئیلیہ کہتے ہیں چنانچہ مذکورہ شعر میں ڈسنا اور لہراتا استعارہ تخئیلیہ ہیں۔

مشبہ بہ کی وہ خصوصیات جو مشبہ سے متعلق ہو سکتی ہیں مشبہ بہ کی وہ خصوصیات جو مشبہ سے متعلق ہو سکتی ہیں ان کی تین صورتیں ہیں:۔

(۱) وہ خصوصیات جن کے بغیر مشبہ بہ میں وجہ شبہ کامل نہ ہو سکے۔ غالبؔ ؎

ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

اس شعر میں شاعر نے پہلے اپنے کو دل ہی دل میں پرندے سے تشبیہ دی ہے اور پرند جو مشبہ بہ ہے اس کا ذکر نہیں کیا اور یہ دل ہی دل میں تشبیہ دینا اور مشبہ بہ کو مقدر رکھنا استعارہ بالکنایہ ہے۔ پھر مشبہ بہ کی خصوصیات (بال و پر) کو مشبہ یعنی

اپنی ذات سے مخصوص کیا جن کے بغیر مشبہ بہ میں وجہ شبہ کامل نہیں ہو سکتی تھی لہذا یہ استعارہ تخئیلیہ ہوا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ موت کے چنگل سے بچنا محال ہے استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخئیلیہ ہے۔

اس جملے میں موت کو درندے جانور سے تشبیہ دی ہے موت مشبہ ہے۔ اور درندہ جانور مشبہ بہ ہے جو مذکور نہیں اور یہ دل ہی دل میں تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے۔ نیز مشبہ بہ کی خصوصیات کو جو درندے سے خصوصیت رکھتی ہیں مشبہ سے مخصوص کیا یعنی چنگل کو موت سے متعلق کیا ہے۔ جس پر درندے کا کمال موقوف ہے کیوں کہ اگر درندے کے پنگل نہ ہوں تو وہ اچھی طرح شکار کو پکڑ کر دبا نہیں سکتا الغرض مشبہ بہ کی خصوصیات کو مشبہ سے متعلق کرنا یعنی موت کے لیے چنگل کو مخصوص کرنا استعارہ تخئیلیہ ہے۔

(۲) وہ خصوصیات جن کے بغیر مشبہ بہ میں وجہ شبہ قائم نہ ہو سکے۔ نسیم لکھنوی ؎

نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
سوسن کی زباں خدا نے کی بند

اس شعر میں پہلے نرگس کو دیکھنے والے شخص سے اور سوسن کو بولنے والی چیز سے دل ہی دل میں تشبیہ دی ہے اور مشبہ کے لیے ہے مشبہ بہ کی جگہ مانگ لی ہے لہذا یہ استعارہ بالکنایہ ہوا۔

پھر مشبہ بہ کی ان خصوصیات کو جن کے بغیر مشبہ بہ میں وجہ شبہ قائم نہیں ہو سکتی یعنی دیکھنے اور بولنے کو مشبہ بہ سے مانگ کر مشبہ سے یعنی نرگس اور سوسن سے مخصوص کر دیا۔ اور یہ مشبہ بہ کی خصوصیات کا مشبہ سے مخصوص کرنا استعارہ تخئیلیہ ہوا۔

(۳) وہ خصوصیات جنھیں نہ تو وجہ شبہ کے قائم کرنے میں کچھ دخل ہو اور نہ وجہ شبہ کے کامل کرنے میں۔ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ ؎

شام ہی ہو چکی کہیں اب تو
آشیانے کو رات جاتی ہے

اِس شعر میں پہلے دل ہی دل میں رات کو پرند سے تشبیہ دی ہے اور یہ استعارہ بالکنایہ ہے پھر مشبہ بہ کی اس خصوصیت کو جو نہ تو وجہ شبہ کی تکمیل کا سبب ہے اور نہ اس کے قائم کرنے کا۔ اسے مشبہ بہ سے مخصوص کر دیا ہے اور یہ استعارہ تخئیلیہ ہے

استعارۂ محتملۃ التحقیق والتخییل

وہ استعارہ ہے جس میں استعارہ تحقیقیہ اور استعارہ تخئیلیہ دونوں کا احتمال اور شبہ ہو۔ آغا شاعر دہلوی ؎

کہیں ایسا نہ ہو موجوں کا تھپیڑا لگ جائے

ہاں تری خیر رہے پار یہ بیڑا لگ جائے

اِس شعر میں لفظ تھپیڑا نظم کیا ہے۔ تھپیڑا ہاتھ سے اور ہاتھ شخص سے خصوصیت رکھتا ہے۔ گویا کہ شاعر نے پہلے موجوں کو دل ہی دل میں آدمی سے تشبیہ دی اور ان کے لیے ہاتھ تصور کیے اور ہاتھ ثابت کرنا لفظ تھپیڑا سے ظاہر ہے ہاتھ سبب ہے اور تھپیڑا مسبّب اور یہ قاعدہ ہے جو شے مشبہ بہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے اس کی جگہ اس کا مسبّب بھی قرینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

لہٰذا اگر موجوں میں اور آدمی میں استعارہ فرض کیا جائے تو استعارہ بالکنایہ ہے اور ان کے واسطے ہاتھ تصور کرنا استعارہ تخئیلیہ ہے اور اگر موجوں کے صدمے کو تھپیڑے سے تشبیہ دیں تو پھر یہ استعارہ تحقیقیہ ہوگا اور استعارہ بالکنایہ باقی نہ رہے گا۔

علم بیان کا تیسرا مقصد

مجازِ مرسل

تعریف لفظ کو اس خوبی سے مجازی[1] معنی میں استعمال کرنا کہ اصلی اور مجازی معنی میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو۔ اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں اور وہ نو تعلق ہیں۔

تعلقات کی تفصیل

(۱) جزو سے مراد کل ہو۔ مثلاً سر سے مراد سردار ہو۔ سرگروہ اور سرِ خیل۔ سر جسم کا ایک جزو ہے مگر کل جسم مراد ہے۔ سلطان خاں سلطان ؎

جس جا ہجومِ بلبل و گل سے جگہ نہ تھی
واں ہائے ایک برگ نہیں ایک پر نہیں

(۲) کل سے مراد جزو ہو۔ مثلاً دانتوں میں انگلی دبانا کہیں اور انگلی کی پوری مراد لیں ؎

تجھ سے کچھ ملتے ہی وہ بے باک ہو جانا مرا
اور ترا دانتوں میں وہ انگلی دبانا یاد ہے حسرت موہانی

(۳) مسبب سے مراد سبب ہو۔ مثلاً اناج برسنا کہیں اور بارش مراد لیں۔ بارش سبب ہے۔ اور اناج مسبب ہے۔ خواجہ حالی ؎

---

[1] جو اصلی اور وضعی نہ ہو۔

ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب　　جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب

گرم بازاری سے مراد ترقی ہے۔ اور ترقی گرم بازاری کا سبب ہے اور گرم بازاری مسبّب ہے۔

(۴) سبب سے مراد مسبّب ہو۔ مثلاً ہاتھ کہیں اور قدرت و قبضہ مراد لیں۔ سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی ان کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ میر انیسؔ ؎

کہتے تھے راہ میں نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

ہاتھ سے نکل گیا یعنی قبضے سے نکل گیا۔

(۵) ماضی سے مراد حال ہو۔ مثلاً کہیں کہ یتیموں کو (بالغ ہونے کے بعد) ان کا مال مل گیا یعنی جو پہلے یتیم تھے اور اب بالغ و خود مختار ہیں۔ اوجؔ ؎

اطاعت اور خداوندی کی جب النسبت بہم ٹھہری
تو اس ناچیز مشتِ خاک کا پھر امتحاں کیوں ہو

انسان کو مشتِ خاک سے تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ پیدائش سے پہلے انسان کو مشتِ خاک مانا گیا ہے۔ اس لحاظ سے گویا سابقہ حالت سے موجودہ حالت پر اطلاق کیا ہے

(۶) مستقبل سے مراد حال ہو۔ مثلاً طالب علم کو مولوی کہیں یا زندہ کو مردہ کہیں میر انیسؔ ؎

بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

بیمار کو مردے سے تعبیر کیا ہے اور مستقبل سے مراد حال ہے۔

(۷) ظرف سے مراد مظروف ہو۔ مثلاً کہیں کہ پرنالہ چل رہا ہے۔ حالاں کہ چلتا

ہے پانی اور پرنالہ ہوتا ہے اپنی جگہ۔ نالہ ظرف اور پانی مظروف ہے جو مراد ہے
میر حسن دہلوی۔ ؎

پلا ساقیا! ساغرِ بے نظیر
چھنسی دامِ ہجراں میں بدرِ منیر

ساغر سے مراد شراب ہے جو مظروف ہے اور ساغر ظرف ہے۔
(۸) مظروف سے مراد ظرف ہو۔ مثلاً وہ نشہ پیے ہوئے ہے۔ یعنی شراب
پیے ہوئے ہے شراب ظرف اور نشہ مظروف ہے۔ اقبال۔ ؎

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

نشہ شراب میں ہوتا ہے۔ شراب ظرف ہے۔ اور نشہ مظروف ہے۔
(۹) آلہ یا ذریعہ سے مراد اصل شے ہو۔ مثلاً زبان کہیں جو اظہارِ خیالات
کا ذریعہ ہے اور گفتگو مراد لیں۔ داغؔ ؎

اردو ہے جس کا نام ہم ہی جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

زباں سے مراد ہے بولی اور گفتگو۔ گوشت کا متحرک ٹکڑا نہیں جو اظہارِ
خیالات کا ذریعہ ہے۔

علمِ بیان کا چوتھا مقصد

کِنَایَہ

پوشیدہ بات

تعریف لفظ کو مجازی معنی میں اس خوبی سے استعمال کرنا کہ اگر چاہیں تو اصلی معنی بھی مراد لیے جاسکیں اسے کنایہ کہتے ہیں۔ غالب ؎

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفہ کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

سر پہ چڑھنا کے مجازی معنی ہیں گستاخ ہونا اور اصلی معنی ٹوپی پہننا اور وقت ضرورت دونوں معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔

مجاز اور کنایہ میں فرق (۱) کنایہ میں لفظ کے اصلی اور مجازی دونوں معنی لیے جاسکتے ہیں اور مجاز میں صرف مجازی معنی مراد ہوتے ہیں۔ لیکن اصلی معنی سے کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔

(۲) مجاز میں قرینہ پایا جاتا ہے اور کنایہ میں قرینہ نہیں پایا جاتا۔

کنایہ کی قسمیں

کنایہ موصوفیہ — کنایہ وصفیہ — کنایہ مطلوبیہ

(۱) کنایہ موصوفیہ وہ کنایہ ہے جس سے موصوف کی ذات مراد ہو اور اس کی

دو قسمیں ہیں :-

(ا) موصوفیہ قریب کسی صفت کا موصوف کی ذات کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھنا کہ کسی دوسری شے کے ساتھ ایسی وہ خصوصیت نہ ہو مثلاً کالے سر والے سے مراد آدمی ہو یا سونڈ والے جانور سے مراد ہاتھی ہو۔

صہبائیؔ ؎
تیرا نظیر وہ ہے جس کو تو آئینے بیں
کہتا ہے دیکھ اللہ ایسے بھی آدمی ہیں

آئینے میں جسے دیکھ کر تعجب ہوا وہ خود حسین ہے اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے اور صفت کی خصوصیت سے موصوف بہ آسانی سمجھ میں آجاتا ہے

(ب) موصوفیہ بعید وہ کنایہ ہے جو کئی صفتوں کے ملنے سے ایک موصوف سمجھا جائے۔ صہبائیؔ۔ ؎

ساقی وہ دے ہمیں کہ ہوں جس کے سبب بہم
محفل میں آب و آتش و خورشید ایک جائے

شراب میں یہ سب چیزیں ایک ساتھ پائی جاتی ہیں۔ شراب آبِ انگور ہے۔ گرمی اور سرخی کی وجہ سے آتش ہے۔ چمکیلی ہونے اور پیالے کی گولائی کی وجہ سے خورشید سے مشابہ ہے۔

(۲) کنایۂ وصفیہ وہ کنایہ ہے جس سے صرف صفت مطلوب ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وصفیہ قریب وہ کنایہ ہے جس میں لازم و ملزوم کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور لازم سے ملزوم آسانی سے سمجھ لیا جائے۔ بقاؔ ؎

زندگی کی کیا رہی باقی امید
ہو گئے موئے سیاہ موئے سفید

موئے سیاہ (کالے بال) سے جوانی مراد ہے اور موئے سفید سے بڑھاپا
سفیدی اور سیاہی لازم ہیں۔ اور بڑھاپا اور جوانی ملزوم ہیں۔

(ب) وصفیہ بعید وہ کنایہ ہے جس میں لازم و ملزوم کے درمیان کئی واسطے ہوں مثلاً بہت سی راکھ ڈالا کہیں اور سخی مراد لیں۔ انیسؔ ؎

مطبخ ہے سرد آگ کا اس میں نہیں ہے نام
بچے ہوائے گرم سے بے تاب ہیں تمام

مطبخ (باورچی خانہ۔ رسوئی) مطبخ کا سرد ہونا اور آگ نہ ہونا ایندھن کے نہ ہونے پر دلالت کرنا اور ایندھن نہ ہونا چولھے پر کوئی چیز نہ پکنے پر دلالت کرنا۔ اور کسی چیز کا نہ پکنا فاقے پر دلالت کرتا ہے۔

الغرض مطبخ کے سرد ہونے سے مقصد ہوا فاقے سے ہونا اور کچھ نہ کھانا اور یہ مقصد کئی واسطوں سے حاصل ہوا ہے۔ اس لیے یہ کنایہ وصفیہ بعید ہے۔ اور لازم و ملزوم کے درمیان کئی واسطے ہیں۔

(۳) کنایہ مطلوبہ وہ کنایہ ہے جس سے کسی بات کا ہونا یا نہ ہونا (اثبات و نفی) سمجھا جائے۔ اثبات کی مثال میر تقی میرؔ ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

فاصلہ نہ رہنا یعنی دامن و گریباں کا پھٹ کر ایک ہو جانا اثبات ہے۔ نفی کی مثال خواجہ حالیؔ ؎

غرض عیب کیجیے بیاں اپنے کیا کیا
کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا

سب کے سب عیبوں میں مبتلا ہیں۔ کسی کی حالت اچھی نہیں۔ یہ نفی ہے۔

کنایہ کی چند اہم قسمیں

تعریض [1] وہ کنایہ ہے جس میں موصوف (مذکور) نہ ہو یعنی جس کے متعلق جو کچھ کہا جائے اس کا نام نہ لیا جائے۔ داغؔ دہلوی۔

ہم ہی بدنام ہیں جھوٹے بھی ہمیں ہیں بیشک × ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں

ہم سے مدعا آپ ہے۔ اور لفظ آپ مذکور نہیں کہنا یہ ہے کہ آپ ہی بدنام ہیں آپ ہی جھوٹے ہیں اور آپ ہی ستم ڈھاتے ہیں۔ مگر یہاں آپ کو مخفی رکھا ہے۔

تلویح [2] وہ کنایہ ہے جس میں لازم و ملزوم کے درمیان بہت سے واسطے ہوں (جیسے وصفیہ بعید میں ہوتے ہیں) مرزا محمد رفیع سوداؔ

الغرض مطبخ اس گھرانے کا   رشک ہے آب دار خانے کا

مطبخ یعنی باورچی خانہ آگ نہ ہونے اور کھانا نہ پکنے کی وجہ سے اتنا ٹھنڈا ہو گیا ہے کہ آبدار خانہ بھی اس پر رشک کرتا ہے۔ چولھے کا ٹھنڈا ہونا کچھ نہ پکنے کی وجہ سے ہے اور کچھ نہ پکنا افلاس یا کنجوسی کی بنا پر ہے۔ الغرض مطبخ کا سرد ہونا بقول سوداؔ کنجوسی کی بنا پر ہے اور کنجوسی اور مطبخ سرد ہونے میں بہت سے واسطے ہیں۔

رمز [3] وہ کنایہ ہے جس میں لازم و ملزوم کے درمیان بہت سے واسطے نہ ہوں لیکن تھوڑی سی پوشیدگی ہو

مرزا غالب

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے   دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

گھر یاد آیا یعنی ڈر لگنے لگا۔ ویرانی کی وحشت درمیانی واسطہ ہے۔ آنکھ بھوں اور لب سے اشارہ کرنے کو بھی رمز کہتے ہیں

---

[1] تعریض کے معنی ہیں طرف جانب اور کنارہ یعنی اشارہ ایک جانب اور مراد دوسری جانب ہو۔
[2] تلویح کے معنی ہیں دور سے اشارہ کرنا۔ [3] رمز نزدیک سے اشارہ کرنا۔
[4] خواجہ حالیؔ فرماتے ہیں: "دوسرے مصرع میں بطور کنایہ "کے خوف معلوم ہو" کی جگہ "گھر یاد آیا" کہا گیا ہے" (مقدمہ شعر و شاعری)

ایما اور اشارہ وہ کنایہ جس میں نہ زیادہ واسطے ہوں اور نہ کچھ زیادہ پوشیدگی ہو۔ خواجہ حالی ؎

جوان کو دن رات کی دل لگی تھی
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی

شراب کا گھٹی میں پڑنا۔ بچپن سے شراب کے عادی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بلاغت کا حُسن

علم بلاغت کی رو سے مجاز ! حقیقت سے
" " " کنایہ ! تصریح سے
اور استعارہ ! تشبیہ سے
زیادہ بلیغ ہوتا ہے